مقصدِ شہادت
و
عزاداریِ
امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسّلام

www.insaaniat.org

الف

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
1	مقصدِ شہادتِ امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام	
5	توحید	1
8	قرآن	2
9	نبوتؐ	3
13	امامتؑ	4
19	جنت و جہنم اور قادر مطلق	5
22	یزید کا مذہب	6
25	اجتہاد اور اجتہادی غلطی	7
25	فروعات	8
28	شہادت کا معیار	9
30	خبیث اور طیب مومن	10
32	رزق وحیات (کربلا کے بعد)	11
33	خونِ معصومؑ، حق و باطل میں حد فاصل	12
33	حُسینیؑ قربانیاں	13
35	قُربانی اور شہادت	14
36	انسانیت کی معراج	15
37	انسانیت کی فلاح بخشش اور نجات	16
38	شفیعؐ المذنبین	17
39	حکومتی مذہب اور مذہب اسلام	18
40	نصرتِ امامؑ	19

41	بیعت	20
43	المودۃ	21
44	آزادیٔ ضمیر	22
46	تقویٰ اور تقیہ	23
46	اشتراکیت مشرک معاشرہ	24
48	جنگ و صلح کے سفارتی اُصول	25
50	امر بالمعروف و نہی عن المنکر	26
53	زندگی و موت کی حقیقت، لقا اللہ (اسلام کا بنیادی تصور)	27
57	خوشنودیٔ امامؑ	28
58	مرکزیت اور حقِ امامؑ	29
59	حصولِ جنت میں آسانیاں	30
62	نوع انسان کے لئے کرداروں کی مثالیں	31
63	خلوص اور عبدیت	32
63	آقا اور عبد کا معیار	33
64	مصائب و آلام پر صبر	34
65	مظلومیت	35
65	دین پر احسان، حُسینیتؑ پر احسان	36
66	اصل الصلوٰۃ	37
66	انتہائی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ	38
67	حجتؑ خدا کے مخالفین کا انجام	39
68	انتظامی پہلو	40
68	ایفائے عہد کا خدائی معیار	41

42	حق کو لبیک باطل سے انکار	69
43	پہلی فیصلہ کُن جنگ	70
44	انسانیت	70
45	مظلوم کی مدد	70
46	دین کی مکمل تاریخ	71
47	مقاصدِ شہادت اور اُن پہ گواہی امام العصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مُبارک سے	72
	مقاصدِ عزاداریِ حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام	75
1	عزاداری کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ کا خطبہ	76
2	حسینؑ کافی ہیں	77
3	امام العصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پُرسہ	78
4	امام حسینؑ کے خطبہ سے اقتباس	80
5	جذبہ فداکاری و جانثاری	81
6	دُکھی انسانیت کا قبلہ مراد	82
7	عزادار، ماتمی کے خون کا وزن	83
8	عزادار و مسلم معاشرہ کا قیام	84
9	امام مظلومؑ کا استغاثہ ہماری تمنا	85
الف	نصرتِ امام صلوٰۃ اللہ علیہ	86
10	انتظار و کوشش	87
11	نہ بعد کربلا قربانی بند ہوئی نہ امامؑ زمانہ نے انعام بند کیا ہے	88
12	جذبہ انتقام کو ابھارنا، پُرخلوص انصار پیدا کرنا	90
13	حجتؑ خدا کے حضور ذمہ دارانہ پوزیشن	91
14	مقاصدِ شہادتِ حسینؑ کی تکمیل ہی مقاصدِ عزاداری ہیں	91

93	عزاداری حسینؑ کا انتہائی مقصد	15
94	سوگوارانِ حسینؑ اور عزادارانِ ثانی زہراؑ سے گزارش	16
95	قائم آل محمدؑ صاحب العصر والزمان کے حضور پُرسہ ودُعا	17

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

مقصدِ شہادت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام

واقعہ کربلا ایک ایسا عظیم ہیبت ناک اور اندوہناک قضا کا فیصلہ ہے جس پر امام عالی مقام حضرت امام حسینؑ تو معصوم اور اولادِ علیؑ و بتولؑ تھے، آپؑ کے رفقائے کار نے بھی خدا کے اعلیٰ ترین معیار پر لبیک کہا اور ایفائے عہد کیا۔ اور اس انداز میں کہ جس پر اولی العزم پیغمبرؑ بھی انگشت بدنداں ہیں اور اسے وقوع پذیر ہوتا دیکھنے کی تاب نہ لاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور ہمہ قسمی مخلوق نے اس واقعہ ہائلہ کو درمیان ہی میں روک دینے کا مطالبہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس فیصلہ سے متعلق امامؑ عالی مقام کو اختیار دینا پڑا، چاہیں تو یہیں روک دیں یا اُمتِ محمدؐیہ کی خاطر طے شدہ پروگرام جاری رکھیں۔

قارئین غور فرمائیں! یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ امام حسینؑ امام وقت تھے، نمائندۂ خداوندی تھے، ناظمِ کائنات اور پوری کائنات پر حقِ تصرف رکھتے تھے۔ اب ذرا پوری کائنات میں اس کرۂ ارض کی حیثیت نوٹ فرمائیں، پھر زمین پر خشکی کا رقبہ، اس میں ملک عراق کے دشتِ نینوا (کرب و بلا) کو تصور میں لائیں۔ کم و بیش دس لاکھ ننگِ انسانیت ، بدترین انسانوں نے گھیر کر انتہائی ظلم سے امامؑ کو آپ کے خاندان اور رفقائے کار کے ساتھ شہید کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ آپؑ کی شہادت کے بعد دو معصومؑ اماموں ، ناموسِ رسالت و امامت مخدراتؑ عصمتؑ پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی۔ در بدر بے مقنعہ اور چادر تشہیر کرتے رہے اور تقریباً ایک سال قید و بند میں رکھا۔ اس عظیم ترین قربانی کا مقصد بھی یقیناً عظیم ہونا چاہیے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے معصومؑ ہستیوں کا قائم کردہ زندہ و جاوید سلسلہ، سلسلۂ عزاداری کا مقصد بھی عظیم ہونا چاہیے لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل عزاداری کے اسٹیج سے ان مقاصد کو

بیان کرنے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے عمل درآمد کی بجائے پوری توانائی رونے رلانے اور جنت حاصل کرنے سے شروع ہوتی ہے۔اور یہیں اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔اگر مقصدِ شہادت وعزاداریِ مظلومؑ یہی تھا تو ان تمام مصائب وآلام سے گزرنے کی بجائے شہادتِ بے شیر، معصوم، حضرت علی اصغرؑ ہی کافی تھی۔اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ عزاداری شروع ہی رونے رلانے سے ہوتی ہے اور جنت کا حصول بھی ہے۔رونا رلانا ہمیں آپؑ کے گروہ ''حزب اللہ'' میں شامل کردیتا ہے جس کا تحصیلِ حاصل جنت ہی ہے۔یہ تو کہا جاتا ہے کہ '' ہے ہماری درسگاہ کربلا، کربلا'' لیکن اس گروہ میں شامل ہوکر کیا کیا مقاصد حاصل کرنا ہیں، معاشرے میں کیا کیا تبدیلیاں برپا کرنا ہیں اور جنت نظیر معاشرہ کیسے وجود میں لانا ہے، یہ بیان نہیں کیا جاتا۔آج کل منبر، اسٹیج اور عزاداری کمرشل ازم اور صنعت کی صورت اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔اس کے اصلی مقاصد فوت ہوچکے ہیں۔اب عزاداری کے بڑے گھٹیا مقاصد سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔مثلاً رونے اور ماتم کرنے کا مقصد نجات اُخروی بتا کر علمانے عزاداری کی روح کو تباہ کردیا ہے۔جنت تو ان ہستیوںؑ کے غلامؑ چند سکوں کے عوض بیچتے رہے ہیں۔نجاتِ اُخروی تو محبت اہل بیتؑ کا لازمی نتیجہ تھی جو تحصیلِ حاصل ہے۔بعض نے کہا کہ عزاداری کا مقصد نمازی بننا ہے لیکن تمام قاتلانِ حسین نماز گزار اور اکثر حافظانِ قرآن بھی تھے۔ <u>بہرحال عزاداری کا مقصد دُنیا سے جبر وظلم و استحصال وغربت وبے بسی وبے کسی کو تباہ کرنا ہے۔ہر اُس حکومت کو مٹادینا عزاداری کا مقصد ہے جو نوع انسان پر کسی بھی قسم کا ظلم کرے۔تمام مختلف النسل اور مختلف المذہب انسانوں میں محبت اور ایثار کا پیدا کرنا اس کا مقصد ہے اور قیام ولایتِ قائم آلِ محمدؑ کی راہیں ہموار کرنا عزاداری کا سب سے بڑا مقصد ہے۔</u>

دانشور حضرات مقاصدِ شہادت حسینؑ اور عزاداری پر چودہ سو سال سے لکھتے چلے آئے ہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ ان مقاصد کا کماحقہٗ ادراک کر سکے اور ضبط تحریر میں لا سکے۔ ہم بھی ان مقاصد پر روشنی ڈالنے کے لئے چند عنوانات یکجا کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ آخر میں چند صفحات خالی چھوڑیں گے تا کہ ہر قاری اس میں اپنا حصہ ڈال سکے اور یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے۔

(آمین، بحق شہدائےؑ کربلا و قائم آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین)

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرؑ، یعنی حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ختمیِ مرتبت حضرت محمدؐ مصطفیٰ تک، جو ضابطۂ حیات اور اسلام کے اصول لائے تھے ان تمام اصولوں کو واقعہ کربلا میں دہرایا گیا ہے۔ اسلام کی نئے سرے سے بنیاد رکھی گئی۔ ہمہ قسمی اصولوں پر عمل درآمد اور قرآنی وعدوں کو سچا ثابت کر کے دکھایا گیا۔ شیطان اور اس کے نمائندگان (جن کی شیطان نے بھی اتباع کر لی تھی) نے اسلام اور معاشرے کی ایسی صورت حال کر دی تھی کہ اگر امام حسینؑ درمیان میں حائل نہ ہوئے ہوتے تو انبیائےؑ کرام کی تمام تر محنت رائیگاں جاتی۔ نہ اصول و فروعات بچتے نہ ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر بچتے۔ حقیقت یہی ہے کہ؛

؎ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

فتح مکہ کے بعد، بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سارے لوگ ایمان لا کر سلامتی کے مذہب اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، بلکہ اس کے برعکس اپنی اور اپنے خاندان کی جان بچانے کے لئے اور کچھ لوگوں نے تو حکومت الٰہیّہ میں شرکت حاصل کرنے کی پیش بندی کے تحت وقتی طور پر صرف سرِ تسلیم خم کیا تھا۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناصبی حکومتوں نے اپنا اقتدار بچانے کی خاطر دینِ اسلام کے ہر اصول اور شریعت کو

اپنے تیار کردہ اصولوں کے ماتحت کرلیا تھا۔اسلام وقرآن کوملکی وقومی ضرورت کے تحت اپنی عقل وشعور کا پابند کرلیا تھا۔ ہر مخالف ،خصوصاً حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کو فنا کر کے راستے سے ہٹانے میں ہی عافیت سمجھی۔دوسری طرف رسولِ پاکؐ کی معصوم نگاہیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں، لہٰذا سورۃ الکوثر کی صورت میں حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کو قربانیوں کے نظام کا پروگرام سونپ دیا گیا۔اسلام کی از سر نو بنیاد رکھنے کے لئے حضرت امام حسینؑ کو انتہائی لائحہ عمل حوالے کر دیا۔امامؑ عالی مقام نے خدا کے کمال معیار پر اس سلسلہ کو اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ خواجہ اجمیرؒ کو اپنی چالیس سالہ ریاضت کے نتیجہ میں کہنا پڑا؛

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ ۔۔۔ دین ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ
ندائے روحی، روح ہست حسینؑ ۔۔۔ اسم اللہ، ذات ہست حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دستِ یزید ۔۔۔ حقّا کہ بنائے لاالہٰ ہست حسینؑ

امامؑ عالی مقام نے خود اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا؛

’’نبوتؐ کا لعاب میری گھٹی میں ہے، میں فرزندِ رسولؐ و بتولؑ ہوں۔امامت میرا منصب ہے، امیرؑ المومنین کا بیٹا ہونے پر مجھے فخر ہے۔میں صاحبِؐ منیٰ کا فرزند ہوں۔میں حسنؑ کی تربیت ہوں۔

یاد رکھو! تم میری سانسیں بند کر کے اپنے لئے توبہ کا دروازہ بند کرلو گے۔انعام کا تمھیں اپنے امیر سے جتنا لالچ ہے،اس سے ہزار گنا زیادہ میں تمھیں ایک سوال پر عطا کرسکتا ہوں۔مگر تم نسلاً بھکاری ہو۔

اس پر بحث کرو! کہ کہکشاں ہماری راہ گزر ہے، ستارے ہمارے نقشِ قدم ہیں۔قطب ہم سے سمت کا تعین کرتا ہے۔قاب قوسین ہماری منزل ہے۔بیت

المعمور ہمارا پڑاؤ ہے۔ بِسۡمِ اللّٰہِ ہمارا افتتاحیہ ہے۔ بَلِّغۡ مَآ ہمارا اختتامیہ ہے۔ اِنَّمَا ہماری طینت ہے۔ الٓمٓ ہمارا تعارف ہے۔ سورۂ والعصر ہماری حیثیت ہے۔ سورۂ فیل ہمارا ماضی ہے۔ سورۂ الفجر ہماری رنگت ہے۔ فی القربیٰ ہماری قسمت ہے۔ سورۂ دھر ہماری سخاوت ہے۔ من الیسریٰ ہمارا استحقاق ہے۔ سورۂ طٰہٰ ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ سورۂ مزمل ہمارا حجاب ہے۔ سورۂ القدر ہماری قدریں ہیں۔ ہم حالت نماز میں قبلوں کا تعین کرنے پر قادر ہیں۔ اور رکوع میں فروع کی دیگر ضرورتیں پوری کرنے کی توفیق رکھتے ہیں۔ ہماری وضع داری کا نام ہی شریعت ہے اور ہم ابراہیمؑ ہیں۔ مگر جو پیغمبرؐ کے ۲۳ سالہ دور کا اثر نہ لیں وہ امامتؑ کے استغاثہ سے کب سنوریں گے۔ تم انعام کے لالچ میں اپنے ہی پیغمبرؐ کی ناموس کو رسوا کرنے پر تلے ہو۔ اور یہی تمہارے دائمی عذاب کا موجب بنے گا۔"

امامؑ عالی مقام کی عظیم اور اندوہناک شہادت کے چند بنیادی مقاصد درج ذیل ہیں۔

1) <u>توحید</u>: ناصبی حکومتوں نے دین کے ہر شعبہ میں اتنا بگاڑ پیدا کر دیا کہ امام حسینؑ کی قربانیاں بھی اسے مکمل طور پر سیدھا نہ کر سکیں۔ لیکن اسلام کو از سر نو اپنی اصلی بنیادوں پر تا قیامت گامزن کر گئیں اور حق کے متلاشی کیلئے دین کے اصل اصول تک پہنچنا ممکن ہو گیا۔ اسلام کے سب سے بنیادی اصول توحید کو بھی ابلیس کی اتباع میں چلتے ہوئے خلیفۂ خداوندیؑ کو راستے سے ہٹا کر اختیار کیا گیا۔ جب کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ محمدؐ مصطفیٰ ہی ذات باری تعالیٰ کا تعارف ہیں، <u>نورِ محمدؐ اور اجزائے نورِ محمدیؐ کی ذواتِ مقدسہ ہی اللہ تعالیٰ کی قابلِ مشاہدہ ہستیاںؑ ہیں</u>۔ یہ ہستیاںؑ ہی اللہ تعالیٰ کے افعال کی امین ہیں۔ اس لئے اگر رسولؐ پاک اور ان معصوم

ہستیوںؑ کو اللہ اور باقی تمام مخلوقات کے درمیان سے ہٹا لیا جائے تو اللہ کا تعارف یا پہچان ہو ہی نہیں سکتی۔ ہماری عقل و شعور میں ایسی طاقت رکھی ہی نہیں گئی کہ ہم لوگ بلا واسطہ اللہ کا تعارف حاصل کر سکیں۔ یعنی اگر ان ہستیوںؑ کو درمیان سے ہٹا کر توحید سمجھنے کی کوشش کی جائے تو وہ ''اللہ'' ہمارا اپنا ذاتی تصورِ توحید ہوگا اور خالق کی بجائے وہ ہمارے اپنے ذہن کی تخلیق کردہ مخلوق ہو گا۔ ذاتِ خداوندی عقل و بصیرت میں ہرگز محدود ہونے والی نہیں ہے۔ جو چیز بھی عقل و وہم و تصور میں آتی ہے وہ محدود ہو جاتی ہے اور اللہ عقل و وہم و تصور سے باہر رہ جاتا ہے۔ (امام محمد باقرؑ)

اور اگر ہم خالق کی جگہ اپنی ذہنی مخلوق کو اللہ تصور کر لیں تو یہی صریحاً شرک ہے جو کہ ظلم عظیم ہے جس کی بخشش نہیں ہو گی اور یہی ابلیسی تصورِ توحید ہے۔ جس طرح ابلیس نے اللہ کے واضح حکم کے باوجود حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، بعینہٖ قوم اور اس کے راہنماؤں نے بھی اللہ کے حکم سے بغاوت کرتے ہوئے، اللہ کے حکم کے باوجود رسولِؐ پاک کا ہر حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اللہ ان کے سامنے (معاذ اللہ) ایک مارشل ایڈمنسٹریٹر سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ غیر عادل، ظالم، جابر، اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے والا اور بسا اوقات اتنا مجبورِ محض کہ انکی حکومت کی رعایا تھا۔ جو حکم وہ دیتے وہی حکمِ الٰہی تھا۔ عوام الناس کے لئے سرتابی قابل گردن زدنی تھی۔ ان کا خدا جابر و ظالم و بے رحم و سفاک تھا جو سو فیصد گناہگار کو جنت میں اور سو فیصد عابد و زاہد کو جہنم میں پھینک سکتا تھا۔ ان کا ایمان تھا کہ انسان جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کروا رہا ہے انسان اپنے عمل کا ذمہ دار نہیں ہے۔ وہ انسانوں کے ہر فعل اور اقدام کو اللہ کا فعل سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک انسان ہرگز اس کا ذمہ دار نہیں۔ وہاں قاتل اور غارت گر بھی رضی اللہ عنہ تھے اور مقتول و

مظلومؑ بھی رضی اللہ عنہ تھے۔امامؑ عالی مقام نے فیصلہ کردیا کہ ایسے غیرِ معصوم مذہبی حکمرانوں کا کوئی بھی حکم ہرگز حکمِ الٰہی نہیں ہوتا۔ان کی اطاعت ہرگز ہرگز جائز نہیں خواہ سارا خاندان، تمام دوست، احباب، تمام بچے اور مستورات تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔اور عملی طور پر ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے، بلکہ سراپا عدل ہی عدل ہے(نہج البلاغہ)، وہ اپنے بنائے ہوئے قوانین کا پابند ہے۔اوراس طرح امامؑ عالی مقام نے قرآن میں کیئے ہوئے اللہ کے وعدوں اور اللہ کے بنائے گئے قوانین پر عمل کر کے انہیں سچ ثابت کر دکھایا۔

الف) مشیّت وعدل

امام عالی مقامؑ نے اللہ کی قدرت ورسالتؐ وامامتؑ کے اسرار ورموز کی انتہائی پاسداری کرتے ہوئے اور خود مشیتؑ اللہ ہوتے ہوئے مشیتِ خدا کو خود پر اور اپنے رفقائے کار پر آزادانہ چلنے دیا تا کہ ان ننگِ انسانیت، کائنات کے بدترین انسانوں کے ذہنوں میں پوشیدہ داخلی، اور اعمال وکردار کی صورت میں خارجی، تمام تر جمع شدہ خباثت منظر عام پر آجائے۔تمام متعلقہ سامان واسباب وقوانین، قوت وقدرت، عقل وارادہ واختیارات سلب کر کے ان کو عاجز نہیں کیا، ورنہ اللہ کا نمائندہ مظہر ذات و صفاتِ خدا کیا کچھ کرسکتا ہے۔یقیناً وہؑ سب کچھ کرسکتا ہے جو اللہ کرسکتا ہے۔اس کے لئے کرسکنا ممکن، ناممکن کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔شیطان اور شیطانی ذہنیت کو اپنے انجامِ آخر تک پہنچانے کے لئے امامؑ عالی مقام اور انصارانؓ نے خود کو اللہ کے بے لاگ قوانین (مشیّت) کے حوالے کر دیا، تا کہ عدل کے تقاضوں کا کوئی پہلو باقی نہ رہ جائے۔ذات باری تعالیٰ پر حجت قائم نہ ہوسکے۔اور کوئی شخص بھی اللہ کو غیر عادل نہ کہہ سکے۔غلط کاروں کے پاس کوئی ایسا عذر نہ رہ جائے جس کی وجہ سے انہیں معاف

کیا جا سکے۔اور جو ہادیانِ ؑ دین کی محنت وسعی اور صبر وتحمل میں ذرہ برابر خامی ثابت کر سکے۔اللہ کے رازوں کو راز رکھنے اور عادل ثابت کرنے کے لئے مشیت کے دھارے کو چلنے دیا۔انتہائی مظلومیت میں شہادت اور ناموسِ رسالت ؐ کی پابہ زنجیر تعزیر وتشہیر قبول فرمالی۔ہمیں بھی مشیتِ الٰہی کو پروان چڑھانے میں حصہ لینا چاہیئے اوراعلان کردینا چاہیئے کہ:

''اَے اللہ میں خود کو تیری مشیّت اور رضا اور قضا کے سپرد کرتا ہوں۔تیرے علم میں جو جزا یا سزا کا مناسب ترین وقت ہواس پر راضی ہوں۔مگر یقین کامل رکھتا ہوں کہ مجھے تیرے وعدوں کے ماتحت دُنیا میں بھی جزا ملے گی اور دنیا کے ختم ہوجانے کے بعد بھی۔جہاں کوئی چیز پوشیدہ نہ رہ جائیگی اور تمام جرائم آنکھوں،کانوں اورقوتِ محسوسہ کے دائرہ میں مشہود ہوکر رہیں گے۔''

2) <u>قرآن:</u> ان حکومتوں نے اسلام کے بنیادی اوراصولی عقائد کوتہہ درتہہ مجتہدانہ تصورات واستبداد کے پردوں میں چھپا دیا تھا۔تعلیماتِ قرآن واسلام کو مذہب جاہلیت سے بدل دیا تھا۔صرف قرآن کے الفاظ اور اسلام کا نام باقی رہ گیا تھا (حدیثِ رسوؐل)۔ ان کا قرآن ان کے بزرگوں کی سمجھ اوراجماع کے ماتحت تھا۔

''وہ قوم نہ قرآن کوقرآنی پوزیشن دیتی تھی نہ اس نے قرآن سے پہلی کتابوں کو کوئی مقام دیا تھا۔''(4/136)

قرآن ان کے نزدیک ایک ایسی کتاب تھی جس میں نہ کائنات کی ہر شے کا ذکر ہےاور نہ وہ تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے کی تعلیمات کی حامل ہے۔جس میں ایسی عبارتیں ہیں جن کے کئی کئی معنی کئے جاسکتے ہیں،جسکے بیان مشتبہ اور مشکوک بھی ہیں۔ جسکے احکام کوقومی وملکی مصلحتوں کے ماتحت بدلا جاسکتا ہے۔بقول علامہ غلام احمد پرویز:

''مسلمانوں نے قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ اعتقادات، خیالات، رسومات، روایات، قوانین اور تفاسیر کی رسیوں میں جکڑ کر مہجور بنا رکھا تھا......انہوں نے قرآن کو چھوڑا نہیں تھا سینوں سے لگا رکھا تھا لیکن اسکی ساری آزادی سلب کر رکھی تھی......یعنی یہ قرآن کے تابع نہیں تھے بلکہ قرآن ان کے تابع تھا۔''

امامؑ عالی مقام خود قربان ہو گئے مگر قرآن کی اصل پوزیشن اور اسکے ہر حکم کو صحیح، قابل عمل اور اسکے ہر وعدہ کو عملی طور پر سچ ثابت کر کے شہادت کی خدائی معیار پر راہیں متعین کیں اور شہدائے اسلام کو زندہ و جاوید ثابت کیا۔ نیزے پر بلند کٹے ہوئے سر نے گلی کوچوں میں تلاوت قرآن کر کے دکھا دیا کہ آلِ محمدؐ کسی صورت میں بھی قرآن سے جدا نہیں ہیں۔

3) نبوتؐ: وہ قوم اللہ، رسولؐ اور قرآن پر ایسا ایمان نہ رکھتی تھی جیسا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے خود ساختہ اللہ اور رسولؐ کو مانا تھا۔ نبوت پر ایمان لانے کی بجائے اپنے ذاتی مقاصد کے تحت صرف اطاعت کی تھی۔ ایک جلیل القدر قریشی راہنما و دانشور کے وصیت نامہ میں یہ الفاظ موجود ہیں ''یقیناً جس شخص نے ہمیں بزور شمشیر اپنی پوزیشن منوانے اور اقرار کرنے پر مجبور کیا، ہم نے بادلِ ناخواستہ اقرار کر لیا۔ حالانکہ ہمارے قلوب کے دروازے بند تھے، ہماری ضمیریں کراہت و نفرت سے ابتر ہوئی جاتی تھیں، ہماری نیت اور بصیرت کانٹوں پر گھسیٹی جا رہی تھیں، ہمیں ہر وہ چیز ناپسند تھی جس پر وہ شخص (یعنی رسولؐ) ہمارے ساتھ (معاذ اللہ) ہٹ دھرمی کرتا چلا جا رہا تھا اور جو کچھ بھی ہم سے قبول کرانا چاہتا تھا اور جن چیزوں میں ہم کو اطاعت کا حکم دیتا تھا۔ بہرحال ہمیں اس مقصد سے اسکی اطاعت کرنا پڑی کہ کھنچی ہوئی تلواروں سے ہم اور ہماری قوم محفوظ رہ جائے اور اس طرح زندہ رہ کر ہماری طاقت بڑھے۔ یوں

اسکے ہاتھ مضبوط ہوئے اور اسکے دین کو پھیلنے کا موقع ملا۔ لیکن میں ہبل اور تمام مجسموں اور دینی رسومات اور لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ہرگز کعبہ والے محمدؐ کے رب کی عبادت نہیں کی نہ کبھی محمدؐ کی کسی بات کی قلبی تصدیق کی اور کبھی اسکی سلامتی اور مرکزیت کو نہیں مانا مگر صرف اس کو دھوکا دینے کیلئے کیا جو کچھ بھی کیا۔''

اور یہی وجہ تھی کہ انکے اجتہاد و اجماع نے ایسا رسول پیش کرنے کی کوشش کی تھی جو معاذ اللہ، معاذ اللہ کبھی بھی پورے قرآن کا عالم نہ تھا۔ جس کا کوئی حکم پوری قرآنی تعلیم کو مدنظر رکھ کر نہ دیا گیا تھا جو وحی کیلئے محض ایک ریڈیو سیٹ کی طرح تھا جو قرآنی علم میں ہمیشہ امت کے برابر رہتا گیا اور تئیس (23) سال میں جب پورے قرآن کا علم مکمل ہوا تو دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جسکا ذاتی حکم دانشورانِ قوم کیلئے ماننا واجب نہ تھا، جسکے احکام میں زعمائے قوم بار بار غلطیاں ثابت کرتے رہے جو وحی کی تلاوت کے علاوہ ہر قول و فعل میں غلطی کر سکتا تھا، جو خاندانی اقتدار کی محبت میں مبتلا رہتا چلا گیا، جس پر جذبات و انسانی میلانات غالب آجاتے تھے، جس کو اللہ کے احکام کے خلاف عمل کرنے سے روکنے کے لئے صحابہ کو سختی سے کام لینا پڑتا رہا۔

انہوں نے محمدؐ مصطفیٰ کی پوزیشن کو ایسا داغدار کیا کہ حضرت محمدؐ کے بعد علیؑ و فاطمہؑ اور حسن و حسین صلوٰۃ اللہ علیہم کی محنت و کاوشوں نے بھی اس سلگائی ہوئی آگ کو مکمل طور پر ٹھنڈا نہ کیا۔ اگر محمدؐ خود ہی مشکوک ہو جائیں تو پھر اللہ اور اللہ کی صفات بھی شک و کفر کے پردوں میں لپٹ کر رہ جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ'' میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، مجھے محبوب ہوا کہ اپنی عظمتوں، جلالتوں اور قدرتوں کا مظاہرہ کروں تو اے محمدؐ میں نے تجھے پیدا کر دیا۔'' لیکن قوم اور اسکے راہنماؤں نے اللہ اور محمدؐ کو جدا کر کے قرآن کی رُو سے کافرانہ نظام رائج کر لیا۔ (4/150-151)

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ..... الخ (39/53) کی رُو سے ہمیں رسولِؐ خدا کا عبد بننے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان عباد میں ظالم لوگوں کو بھی رسوؐل اللہ، رحمت للعالمینؐ کی رحمت سے مایوسی کو گناہ قرار دے دیا۔ آپؐ کی مطلق اطاعت ہی وہ شرط ہے جس سے گناہ نیکیوں میں بدل جائیں گے۔

واقعہ قرطاس وقلم میں رسوؐلِ پاک کو اس وصیت کی تحریر کے لئے (جس کے بعد قوم کے گمراہ ہونے کا امکان بھی نہ ہوتا) کاغذ، قلم دوات مانگنے پر ادا کئے گئے اس جملہ کی گہرائی نوٹ فرمائیں جو اس قوم کے ایمان کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ''اِنَّ ھٰذَا الرَّجَلِ لِیَھْجِر حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ . بے شک یہ شخص ہجرت کر رہا ہے اللہ کی کتاب ہمارے حسب حال ہے۔'' صرف وحی پہنچانے تک حضرت محمدؐ نبی تھے اور ویسے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر دین اسلام مکمل ہونے کی سند مل گئی تھی۔ اب نبیؐ نہیں رہے بلکہ ''الرجل''، یعنی ''یہ شخص'' ہوگئے اور یہ کہ کل تک تو یہی حضرت فرماتے رہے کہ قرآن ہر بات ہر مسئلہ ہر پیچیدگی کا حل اپنے اندر رکھتا ہے، اس میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے، اب یہ کہہ رہے ہیں کہ لاؤ قلم، دوات، کاغذ کہ میں ایک ایسی وصیت لکھ دوں کہ تم گمراہ نہ ہوگے۔ لہٰذا خود ہی آیات بیان کر کے خود ہی قرآن چھوڑ کر اپنی تحریرو وصیت کا سہارا لے رہا ہے۔ لہٰذا یہ آدمی قرآن سے ہجرت کر رہا ہے اور الزام ہم پر تھا کہ قوم نے قرآن سے ہجرت کر لی ہے۔ ہم قرآن کو سینے سے لگائیں گے اور جو چاہیں گے مفہوم اور تفسیر بیان کر کے اپنے حسب حال کر لیں گے۔ <u>بس یہیں سے کربلا کی ابتدا ہوگئی۔</u>

یہ ایک اشد اور اہم ضرورت تھی کہ نبوتؐ، جو معرضِ امتحان میں آچکی تھی، اس کو سچا اور حق ثابت کرنے کے لئے رسوؐل اللہ نے اپنوںؑ کو پروگرام دیئے اور نبوتؐ کو

برحق ثابت کرنے کیلئے علیؑ و فاطمہؑ اور اولادِ علیؑ نے بڑی مہیب قربانیاں دیں۔

گھر لٹتے دیکھے، حقِ خلافت غصب ہوتا دیکھا، دروازے پر جلتی لکڑیاں، دھمکیاں، دھکے، دُرے، باغِ فدک سے محرومی اور توہین، حضرت امام حسنؑ نے اپنے جگر کے ٹکڑے پیش کیئے، جنازے پر تیر بارانی ہوئی، انتہائی پروگرام امام حسینؑ کے سپرد تھا، صادقؑ اور امینؑ نانا کی صداقت کے ثبوت اپنے خون کی مہریں لگا کر پیش کرنا، یہاں تک کہ کسی خطرناک قیمتی اور مہیب قربانی، مخدراتؑ عصمت وطہارت کی دربدر تشہیر و توہین سے دریغ نہ کرنا۔ یہ تھا ایک اہم مقصد جو شہادت حسینؑ میں مضمر تھا۔

حدیث مبارکہ ''**حسینؑ منی و انا من الحسینؑ**'' کی تشریح کرتے ہوئے خود معصومینؑ نے فرمایا کہ امام حسینؑ نے ازل ہی سے اپنی شہادت اور دیگر متعلقہ پروگرام پر دستخط فرما دیئے تھے۔ اور اسماعیلؑ کو '' **وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ.**'' ایک عظیم الشان قربانی یعنی شہادت حسینؑ کے لئے محفوظ کیا گیا تھا (37/107) ۔یہی حسینؑ ہیں جس نے حضرت اسماعیلؑ کا عظیم الشان فدیہ بن کر ان کی جان اس لئے بچائی کہ آنحضرتؐ کی ہمہ گیر نبوت ورسالت کیلئے اڑھائی ہزار سالہ تمہیدی نبوتیں اور رسالتیں، خلافتیں، حکومتیں، بادشاہتیں اور امامتیں قائم ہوکر، ارتقائی منازل طے کر کے دینِ اسلام کو اس منزل پر لاسکیں جہاں سے نبوتِ محمدیؐ کا الف شروع ہونا تھا۔ یہ سب کچھ حسینؑ کے صدقہ میں ہوا۔ اگر حسینؑ اپنی قربانی قبول نہ کر چکے ہوتے تو حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری چل گئی ہوتی اور نسلِ رسولؐ کا سلسلہ کٹ جاتا۔ یعنی محمدؐ کو عالمِ وجود میں لانے کا مادی ذریعہ ختم ہو جاتا۔ امام حسینؑ نے اپنی اور اپنے رفقاءِ کار کی بے دریغ قربانیوں سے نبوتؐ اور تعلیماتِ نبوت کو معصومؑ، علوم الٰہیّہ کا خزینہ دار، ہمہ گیر، برحق، سچا اور زندہ و جاوید کر دیا۔ اب کسی یزیدی کی جسارت نہیں کہ

نبیؐ کو اپنے قول وفعل سے ساحر، مجنون، جھوٹا یا ہجرت کرنے والا کہہ سکے۔

4) امامتؑ

رسولؐ کی قوم نے قلبی رضامندی سے نبوتؐ تسلیم کرنے کی بجائے اپنی اور اپنی قوم کی جانی و مالی حفاظت کیلئے اطاعت قبول کر لی تھی۔لیکن نبوت کے بعد امامتؑ و ولایت وخلافت و وصایت کے لئے رسوؐل کے ہر حکم کا بخٍ بخٍ کہہ کر بھی انکار کر دیا۔ دعوت ذوالعشیر ہ سے لے کر حجۃ الوداع، بلکہ آخری دن کے واقعۂ قرطاس وقلم تک رسوؐل اللہ نے بار بار ولایتؑ، امامتؑ، خلافت اور حکومت الٰہیّہ کا تعارف اور وصیت فرمائی، فرمایا کہ ''دیکھو یہ علیؑ ہے اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔''

پھر تکمیل کار کے دوران بھی بار ہا امامتؑ و ولایت وخلافت کا اعلان ہوتا رہا ہے۔اور بات کی تکمیل یہ کہہ کر کی جاتی ہے کہ:

''دیکھو یہ علیؑ ہے۔جو شخص بھی مجھے اور اللہ کو اپنا مولا مانتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس علیؑ کو بھی مولا مانے اور اطاعت کرے۔''

یوں اسلام کی بات اطاعتِ ولایتؑ سے شروع ہوتی ہے اور کارِ نبوّت ولاّیت کو سپرد کر کے ختم ہوتا ہے۔ادھر حکومت الٰہیّہ میں شرکت کی دلی تمنائیں زبانوں پر آ چکی تھیں اللہ نے ارادوں کا تذکرہ قرآن میں فرما دیا۔(آلِ عمران 3/152-154)

بہر حال حکومتِ الٰہیّہ کو مسمار کر کے اجتہادی اور جمہوری حکومت نصب کر دی گئی۔اس کا ذکر اس وصیت نامہ میں موجود ہے جو بنام امیر معاویہ لکھا گیا تھا۔

''.....مہاجرین اور انصار سے جب میں نے کہا کہ خلافت وحکومت صرف قریش کیلئے ہے تو انہوں نے کہا ہاں قریش میں سے امیرؑ المومنین وہی ہے جس کو اصلع البطین اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کہتے ہیں جس کیلئے رسولؐ اللہ نے پوری ملتِ اسلامیہ سے بیعت لی تھی

اور ہم نے انہیں چار مواقع پر امیر ؑالمومنین تسلیم کیا ہے۔اور ہم سے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم لوگ علیؑ کی بیعت کو بھول گئے تو اَے قریش ہم لوگوں نے اس بیعت کو فراموش نہیں کیا ہے۔الغرض نہ تو بیعت قائم ہوسکتی ہے نہ ہی امامتؑ وخلافت ووصیت قائم کی جاسکتی ہے۔سوائے اسکے کہ یہ ایک منجانب خدا فرض کی ہوئی اور مقرر شدہ اور صحیح معاملہ ہے نہ کسی کے دعویٰ کر دینے سے یہ کام ہوسکتا ہے نہ اس میں بزرگی کا مقابلہ ہوسکتا ہے۔ہم نے انکے اس پورے بیان کو چالیس جھوٹے گواہ گزار کر جھوٹا ثابت کر دیا اور شہادت دلوادی کہ امامت وخلافت کا اختیار خود اُمت کو حاصل ہے۔''

قارئین! ہمارے مذہب میں امامتؑ وولایتؑ وخلافت کی پوزیشن یہ ہے کہ یہ عہدہ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کے نتیجہ میں نبوت پہ فائز ہونے کے بعد حاصل ہوا اور امامت وولایت وخلافت مطلقہ کی صورت میں حضرت علیؑ تک پہنچا۔ ہمارا مذہب اللہ، رسولؐ اور امامؑ کو ہر حال میں ساتھ رکھتا ہے۔اصولِ دین میں توحید ونبوتؐ وامامتؑ کو کسی مسئلہ میں فراموش نہیں کیا جاتا۔اور ان تینوں میں طویل ترین پارٹ امامتؑ کا ہے۔اللہ نے قرآن بھیج دیا رسولؐ اللہ نے قرآنی علوم بیان کر دیئے، تعلیمِ قرآن کا مستند انتظام کر دیا۔اب امامتؑ ہے کہ جس نے قیامت تک کی ذمہ داری لی ہے۔سو اب ہماری تمام عبادات ودرجات میں امامتؑ وولایتؑ کو پہلا نمبر دیا گیا ہے۔مختصراً یہ کہ اب اس (امامتؑ وولایتؑ) کے بغیر نہ ایمان مقبول ہے نہ عبادت شمار ہے۔اسلئے کہ زندہ اسلام کی جڑ بھی امامتؑ ہے اور اسکی چوٹی بھی امامتؑ ہے اور امامؑ ہی سے نماز مکمل ہوتی ہے،امامؑ ہی سے روزے، حج اور جہاد کی تکمیل ہوتی ہے۔امامؑ کے بغیر پورا اسلام باطل ہوجاتا ہے۔امامتؑ وولایتؑ نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج سے افضل اور انکی کنجی ہے۔مندرجہ بالا سے چاروں چیزیں (نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) بعض حالات میں

نظرانداز کی جاسکتی ہیں۔مگر ولایتؑ ہرحال میں برقرار رہتی ہے۔ولایتؑ ہی مکمل دین ہے ۔تمام انبیاؑ ولایتِ علویہ ؑ کو قائم کرنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔چند آیات و احادیث کا خلاصہ اسکی دلیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(اصولِ کافی،کتاب الحجة ،باب فی نکت و نتف من التنزیل فی الولایة)

(1) صحفِ ابراہیمؑ وموسیٰؑ کی کتابوں کا لُبِّ لِباب ولایتؑ کی تنفیذ تھا۔

(حدیث نمبر 30 آیت نمبر 87/18-19)

(2) رسولؐ اللہ جو کچھ لائے اس کا خلاصہ ولایتؑ ہے۔

(حدیث نمبر 6 آیت نمبر 5/66)

(3) وہ دینِ حنیف جس پر رسولؐ اللہ کو اپنی تمام تر توجہات مرکوز رکھنے کا حکم ملا تھا وہ ولایتؑ تھی۔(حدیث نمبر 35 آیت نمبر 30/30)

(4) رسولؐ اللہ جس حق کو نافذ کرنے کیلئے مبعوث ہوئے وہ ولایتؑ ہے۔

(حدیث نمبر 59 آیت نمبر 4/168-170)

(5) جس رنگ کو اللہ کا رنگ فرمایا وہ ولایتؑ ہے۔

(حدیث نمبر 53 آیت نمبر 2/138)

(6) **هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡ لَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ.قَالَ هُوَ الّذی اَمَرَ رَسُوۡ لَهٗ بِالۡوَلَایَةِ لِوَ صِیِّهٖ وَالۡوَلَا یَةِ هِیَ دِیۡنُ الۡحَقِّ**

(حدیث نمبر 91 آیت نمبر 48/28)

ترجمہ:’’اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو دین حق کے ساتھ بھیجا۔امامؑ نے فرمایا کہ ولایتؑ ہی دینِ حق ہے اللہ نے رسولؐ کو اپنے وصیؑ کی ولایتؑ قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔‘‘

(7) جس امر کے اقرار واعلان وقیام کے مستقل عملدرآمد پر نجات اور معاشی فراوانیاں منحصر ہوں وہ ولایتؑ ہے۔
(حدیث 49,39، آیت نمبر 90/11-13،72/16)

(8) جس چیز کو رسولؐ کی فرقانی قوم (25/30) نے اختلاف کی بنیاد بنا کر دین کو تبدیل کیا وہ ولایتؑ ہی ہے۔ (حدیث نمبر 48، آیت 9-51/8)

(9) جس شرک سے تمام اعمال باطل ہوجاتے ہیں اور ہرگز معاف نہ ہوگا وہ ولایتؑ میں کسی اور کو شریک کرنا ہے۔ (حدیث نمبر 76، آیت نمبر 39/65)

قارئین! اب خود فیصلہ کریں کہ ان تمام مرتبوں اور حیثیتوں کی مالک ہستی جو منصوص من اللہ معصوم امامؑ ہے، کیسے اپنے آپ کو یزید لعین و پلید جیسے ہمہ قسمی برائیوں اور خباثتوں کے حامل شخص کی مکمل سپردگی میں دے سکتی تھی، بیعت کرسکتی تھی۔ یزید تو پھر یزید تھا اگر اس کی جگہ کوئی انتہائی متقی شخص بھی ہوتا تب بھی امام معصومؑ کسی بھی غیر معصوم کی ہرگز ہرگز بیعت نہ کرتے۔ امامؑ عالی مقام نے ایسی ہمہ قسمی بیعت کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کردیا۔ اگر امامؑ عالی مقام بیعت کر لیتے تو یہ فرقانی قوم اور حکومتیں جو عقائد پھیلا رہی تھیں، اپنی اجتہادی حکومت و اقتدار کو مستحکم کرنے کیلئے اللہ، رسولؐ و قرآن اور امامتؑ کو جس طرح اپنی خودساختہ شریعت کا پابند بنا رہی تھیں، سب کے سب پر معصوم امامتؑ کی مہرِ حق وصدق ثبت ہوجاتی اور یہ سب کا سب دینِ اسلام میں شامل ہوجاتا۔

اس ناھنجار قوم نے اپنے اقتدار و حکومت نصب کرنے کیلئے اقدامات کی پوری منصوبہ بندی کرلی تھی، اس کو جاننے اور سمجھنے کیلئے اسی وصیت نامہ کے چند مزید الفاظ نوٹ کریں ''لیکن یہ نوٹ کرلو کہ وہ شیر نہ ہم سے متفق ہوا نہ تجھ سے دبے گا وہ علیؑ ہے

اور اس شیر کے یہ بچے حسنؑ اور حسینؑ بھی ہمارے اور تیرے ساتھ ہم خیال نہ ہوں گے۔ اور اگر تیرے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ تو اُمت میں سے ایک جماعت کو انکے خلاف کر کے ملا لے تو ضرور اقدام کرنا۔ اور دیکھ چھوٹی موٹی چھیڑ چھاڑ پر قناعت نہ کرنا جو بھی کرو انتہائی اور عظیم درجے کا قدم اُٹھانا۔ اور دیکھ میری اس وصیت کا تحفظ اور اطاعت کرنا، راز میں رکھنا، ظاہر نہ کرنا، اس کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہنا۔ اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرنا اور ان کا انتقام لینا اور ان کے دشمنوں کو مٹاتے رہنا۔ میری اس وصیت اور نصیحت پر عمل کرو گے تو میں تمہاری کامیابی کا ذمہ دار ہوں۔ اور سن! وہ قوم ابھر کر چھا جاتی ہے اور اس کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں جو ایسی سکیم لے کر اُٹھے جو تمام مخلوق کو بتدریج میری طرح اندھا کر سکے۔ میں نے اُس دین کی طرف بچوں کی طرح قدم بڑھایا جس نے مجھے ہمیشہ مشکوک رکھا اور میں اس دین سے بہت دور ہوتا گیا جس دین نے میری کمر توڑ دی تھی۔ اور اگر تو بھول جائے تو ولید اور شیبہ اور عتبہ و عاص کو نہ بھلانا جو بدر کے روز عاجز ہو کر گرے تھے اور جن کا نظروں سے غائب ہو جانا میرے دل کی گہرائی میں سانپ کے ڈسنے کی تکلیف رکھتا رہا۔ ادھر ابو ضئیل سے میرا محروم ہو جانا بھی تقاضا کرتا ہے کہ تم انکا بدلہ ہندوستانی تلواروں کی دھار اور نیزوں کی بھالوں سے لینا۔ اہل شام سے بہترین سلوک کرنا وہ لوگ شیروں کی مانند ہیں۔ باقی لوگ تو گونگے اور بے فیض ہیں اس دین کو خلط ملط کر دینا جو ہم پر جادو کے زور سے مسلط کیا گیا تھا۔ وہ کینہ پروری تمہیں معلوم ہے جس سے ماضی میں نضر کی ساری اولاد کو اندھا کر دیا گیا تھا۔ تو ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک انتقام کے لئے اسی دین کو آلہ کار نہ بنائے۔ چنانچہ اس قوم کو اسی تلوار سے قتل کرنا جو میں نے تیار کی ہے۔ یہی مقصد ہے جس کے لئے تجھے ملک شام کی حکومت دی گئی اور یہ تمنا کی

گئی ہے کہ تو اس مقصد کیلئے اپنے بزرگ صخر کی وجہ سے بہت ہی مناسب ہے.....''

اور دوسری طرف معصومؑ پروگرام کے تحت رسولؐ اللہ نے انہیں سنبھلنے کا موقع دیا، علیؑ نے تجربہ کر لینے اور سمجھ لینے کے لئے تعاون کیا، حسنؑ نے چاہا کہ شجرۂ باطل اپنے پورے برگ و بار سے لد جائے اور یہ سفینۂ باطل پوری طرح لبریز ہو جائے ، امام حسینؑ نے اپنی ہمہ قسمی قربانیوں کے جھٹکوں سے اس ابلیسی ناؤ کو ڈبو دیا اور بالآخر ان ناہنجار لوگوں کے چہروں سے اسلام کی نقاب ولبادے اتار دیئے۔ انکی بدعقیدگی، دلی تمنائیں، سربستہ راز، حکومت الہیّہ کی جگہ اجتہادی، جمہوری وقومی حکومتیں اور دین میں بگاڑ، خودساختہ شریعت سازی سب کچھ دنیا پر واضح کر دیا۔ یہ اللہ ورسولؐ کا بھیجا ہوا اسلام نہیں بلکہ اسلام کے لبادہ میں بگڑا ہوا خود ساختہ دین یا دوسرے لفظوں میں طاغوتی نظام ہے ۔دلوں میں اور تاریخوں میں چُھپے ہوئے راز اور حقائق انکی اپنی زبانوں سے برسرِ منبر اگلوالئے۔آخر یزید لعین نے اپنا اور اپنے بزرگوں کا عقیدہ، ایمان اور تمنائیں ظاہر کر دیں۔

'' کاش میرے بدر میں قتل ہونے والے بزرگ موجود ہوتے اور دیکھتے کہ خزرج کے قبیلے کے ساتھ ہماری تلواروں نے کیا کر دیا ہے۔وہ دیکھتے تو یقیناً خوشی سے اچھل پڑتے اور دُعا دیتے اور کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ کبھی بے کار نہ ہوں۔ میں خندف میں سے نہ ہوتا اگر احمدؐ کے خاندان سے ان کی کارکردگی کا انتقام نہ لیا ہوتا۔ یہ تو بنی ہاشمؑ نے اقتدار حاصل کرنے کا ایک بچگانہ کھیل کھیلا تھا۔ نہ کوئی پیشگوئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔(یعنی دعویٰ نبوت ہی جھوٹا تھا) بہرحال ہم نے علیؑ سے اپنے مقتولوں کا بدلہ لے لیا اور ہم نے بڑے بڑے سورما بہادروں کو تہہ تیغ کر دیا۔ہم نے ان کے سرداروں اور سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک بڑی جماعت کو موت کے گھاٹ اتار کر

بدر کو واپس لا کر ان کی طرف پلٹا دیا اور بدر کے قتل عام کا بدلہ چکا کر عدل و انصاف قائم کر دیا۔(اکسیر العبادات صفحہ 514) انا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلیہ رٰجعون۔

5) جنت و جہنم اور قادر مطلق

ابلیس اور ابلیسی ذہنیت نے تعلیماتِ خداوندی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان تعلیمات کو اپنی عقل و بصیرت کے ماتحت رکھنا چاہا۔ جائز و ناجائز، اچھا اور برا، مفید و مضر، ضروری و غیر ضروری طے کرنے میں اپنی عقل کو حاکم بنایا اور جو فیصلہ ان کے قلب و ذہن نے کیا اس فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دینے کی بجائے اللہ کا فیصلہ کہا۔ چنانچہ اس ذہنیت نے ایسے بہت سے عقائد اور اصول اختیار کئے جو قدم قدم پر قرآن کے الفاظ سے ٹکراتے ہیں اور ایک ایسا دین پیش کرتے ہیں جس کا عملاً اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جنت اور جہنم کے عارضی ہونے اور اللہ سے متعلق قادر مطلق کا تصور بھی اسی ذہنیت کی بصیرت ہے۔ جس کی شہہ پر مسلمان ہر زمانہ میں اور خصوصاً کربلا میں آل محمدؐ پر بڑھ چڑھ کر ہمہ قسمی ظلم و ستم کرنے کی جسارت کرتے رہے۔ آج بھی اس عقیدہ پر ایمان رکھنے اور عمل کرنے والے نہتے لوگوں، عورتوں اور معصوم بچوں کو قتل کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے اور خود کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اسی عقیدہ کی بنیاد پر تمام معروفات کو چھوڑ کر ظلم و ستم، قتل و غارت روا رکھا جا رہا ہے۔ اگرچہ ساری دنیا کی اقوام مسلمانوں کی دشمن ہو گئی ہیں، پھر بھی دن رات لوٹ مار اور قتل و غارت کرنے والوں کو نمازی کے القاب دیئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ انکے ہاں یہ عقیدہ بھی گھلا ملا چلا آیا ہے کہ ''عذابِ جہنم دائمی نہیں ہے اور ایک روز جہنم کو ٹھنڈا کر دیا جائیگا اور تمام جہنمی لوگ بھی جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔'' اسی عقیدہ کی ایک شاخ یہ ہے کہ ''کچھ لوگ بُرے اعمال کی کثرت کی وجہ سے جہنم میں تو ضرور جائیں گے مگر اپنی سزا پوری کر کے جنت میں بھیج

دیئے جائیں گے۔" اسی کی دوسری شاخ یہ ہے کہ "حساب کتاب کے وقت جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر نکلیں گے ان کو کسی ایسی جگہ رکھا جائے گا جس کا نام علما نے برزخ رکھا ہوا ہے اور یہ لوگ برزخ میں اعمال خیر کر کے، ترقی کرتے کرتے آخر ایک دن جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور یوں بھی ایک دن جہنم بیکار ہو جائے گا۔"

انسانیت کے دشمن لوگ جو اس دنیا میں خود مختارانہ اور بے لگام زندگی گزارتے اور حکمرانی کرتے رہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مواخذہ ہو یا کوئی بازپرس کا دن آئے اور عوام بھی مطمئن رہے اور پر سکون رہ کر ساتھ دیتی رہے۔ لیکن انبیا علیہم السلام کی مسلسل تعلیمات اور پے در پے قربانیوں نے آخرت اور روز حساب منوا لیا۔ جب جنت وجہنم کے وجود اور جزا وسزا کو تسلیم کرنا پڑا تو ابلیسی گروہ نے دنیا میں فسق وفجور اور ظلم وستم جاری رکھنے کے لئے سینکڑوں مذہبی حیلے ایجاد کر لئے۔ یہ بھی ایک حیلہ تھا کہ اللہ قادر مطلق ہے لہٰذا وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ایک عابد وزاہد و پارسا آدمی کو جہنم میں بھیجے تو بھی جائز ہے، اور اگر یزید وشمر ملعون جیسے لوگوں کو جنت میں بھیج دے تو بھی انصاف کے خلاف نہ ہو گا۔ اور یہ کہ انسان یہاں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اللہ ہی کرواتا ہے۔ لہٰذا آدمی کے تمام افعال واعمال اللہ کے حکم سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اس لئے آدمی کو یہ کہنے کا حق ہی نہیں ہے کہ اسے جنت میں کیوں نہ بھیجا جہنم میں کیوں داخل کر دیا۔ یعنی جہنم اور جنت کا بنانا بھی ایک جبر ہے۔ اسی قسم کے عقائد رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ ایک دن دوزخ ختم ہو جائے گی۔ مطلب یہ کہ انکا گروہ خوب کھل کھیلے اور جہنم کو عارضی سمجھ کر ہر وہ کام بلا تکلف کرے جو انکی مذہبی پالیسی کیلئے ضروری ہے۔ آخر انہیں ایک روز جنت میں جانا ہی ہے، کچھ دن پہلے نہ سہی چند روز یا چند سال بعد ہی سہی۔

یزید کے دورِ حکومت میں خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کا واقعہ تاریخ میں موجود ہے اس

مہم کا سالار مسلم بن عقبہ، یزید کے حکم پر خانہ کعبہ کو مسمار کرنے پر خود کو جنتی سمجھتا تھا جس کا اظہار برملا اس نے اپنی وصیت میں کیا تھا۔اسی قسم کے عقائد نے ایسے حکومتی مذہبی مسلمان پیدا کیئے جو ہر قسمی ظلم و ستم، قتل و غارت کو مصلحتاً جائز قرار دیتے رہے۔ پھر بھی اپنے تیئں جنت کا حقدار سمجھتے رہے۔ آج بھی اس مسلک پر عمل پیرا لوگ دہشت گردی کو روا رکھے ہوئے ہیں۔ دنیا میں امن کے دشمن اور مہذب اقوام کے سامنے اُمت مُسلمہ کو رسوا کیئے ہوئے ہیں۔

انبیا علیہم السلام کی تعلیمات اور قربانیوں کے سلسلے کی آخری قربانی بلکہ عظیم ترین قربانی شہادت جناب عالی مقام امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔امامؑ عالی مقام نے عمل کر کے یقین دلا دیا کہ اللہ قادر مطلق کے ساتھ ساتھ ہر وقت حکیم مطلق، علیم مطلق، اور عادل مجسم بھی ہے۔اللہ جابر و ظالم و جاہل و غدار اور وعدہ شکن نہیں ہے۔ وہ اپنے ارادوں پر عمل کرنے میں بھی اپنے قوانین کا پابند ہے۔اس سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوسکتا جو قابل اعتراض، حکمت سے خالی اور محض ایک ظالم و جابر بادشاہ کی طرح اختیار و قدرت کی نمائش کے لئے ہو۔امامؑ نے ہجرت، سفر اور قیامِ کربلا کے دوران اپنے آخری وقت تک بار بار اپنے خطبات و ارشادات میں ان مقاصد کا اعلان فرمایا اور بار بار اعلان کیا کہ دین کی خاطر سختیاں برداشت کرنے اور قربانیوں کے اجر و جزا اور معاوضہ میں جنت بطورِ وراثت ملے گی۔جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔قومی لیڈروں کی طرح وراثت سے محروم نہیں کرتا۔شب عاشور امامؑ عالی مقام نے اپنے رفقائے کار کو یقین کی تمام منازل طے کرا کے حق الیقین تک بلند کر دیا اور جنت میں ان کے اپنے اپنے مقامات دکھا دیئے جس میں وہ قرآنی فیصلہ کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ آباد رہیں گے۔

دوسری طرف دشمنانِ دین، ننگِ انسانیت ،لشکرِ یزید کو بار بار اپنا تعارف کرایا تا کہ کوئی دھوکہ میں نہ رہ جائے۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اعلانات فرماتے رہے۔حجتِؑ خدا کا خون بہانے سے روکتے رہے۔یزیدیوں کو دائمی جہنم کے عذاب سے بچانے کیلئے اپنے تمام انصاران و بنو ہاشمؑ کا خون معاف کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔لیکن یہ نا ہنجار قوم اُسی شیطانی عقیدہ کو سامنے رکھتے ہوئے دنیاوی لالچ اورفوائد کی خاطر امامِؑ وقت کا خون بہانے اور ناموسِ رسالتؐ کو شہر بہ شہر، درباروں اور قید خانوں میں رسوا کرنے سے باز نہ آئی۔

6) __یزید کا مذہب__

یزید جس مذہب کی پیروی کرتا تھا وہ اس کے بزرگوں کا آبائی مذہب تھا۔عربوں نے اسلام کو اپنے اجتہاد سے اس طرح تبدیل کیا تھا کہ ان کے سابقہ مذہب کی ہر بات اسلامی ٹھپہ سے مسلمان کر لی گئی۔چنانچہ وہ اس توحید کے قائل ہوئے جو ابلیس نے اختیار کی تھی ۔یعنی اللہ سے انبیاؑ و رسلؑ کو قطعاً الگ رکھا جائے (سورہ نساء 4/150)۔اللہ حکم دے تو بھی نبیؐ کو سجدہ نہ کیا جائے اور نبیؐ کی عزت وعظمت کو شرک قرار دیا جائے۔(سورہ ص 38/ 73-74) نبیؐ کی موت پر رنج وغم اور رونے کو بدعت کہہ کر ٹھکرا دیا جائے (بخاری وغیرہ) نبیؐ کو (معاذ اللہ) خطا کار اور جذبات سے مغلوب ہو کر غلط حکم و فیصلہ کرنے والا بتایا جائے (معارف الاسلام پرویز) وہ انسان کے ہر فعل اور اقدام کو اللہ کا فعل سمجھتے تھے۔اسلئے کسی کو قتل کرنے میں، کسی کا گھر بار لوٹنے میں، کسی کی عزت کو تار تار کرنے میں، کسی کا گھر بار جلا دینے میں تکلف نہ کرتے تھے،اور کہتے تھے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم یہ سب کر ہی نہ سکتے تھے۔لہٰذا حسینؑ کا قاتل بھی اللہ ہی ہے یزید نہیں ہے۔رسوؐل پاک سے متعلق کسی بھی چیز کا احترام تو

دُور کی بات وہ آلِ رسولؐ بلکہ خود رسولؐ اللہ کی تعظیم کو شرک سمجھتے تھے۔ان کے واسطے سے دُعا کرنا بھی شرک سمجھتے تھے۔

یہ یزیدی مذہب یزید کا گھڑا ہوا نہیں تھا بلکہ یزید کے بزرگ رسولؐ کو دھکا دینا، گلا اور گریبان پکڑ کر کھینچ لینا، رسولؐ کے سامنے اپنی آوازیں بلند کرنا وغیرہ جائز سمجھتے تھے۔ یزید کا بھی وہی مذہب تھا جو پہلے سے چلا آرہا تھا اور یزید اُسی اسلامی قانون پر عمل کررہا تھا جو اس کے نام نہاد مسلمان بزرگوں نے اسلامی کہہ کر تیار کیا تھا۔ اسی مذہب کی رو سے کربلا میں خاندانِ رسالتؐ کا قتل عام کیا گیا اور اہل حرمؑ کو ایک سال قید رکھا گیا۔

یہ اجتہادی مذہب کفر اور زندقہ سے بھی بدتر تھا۔اسکی ایک مثال یہودی سردار کا سرِ دربار قتل ہونا کتاب ''اکسیرالعبادات صفحہ 528'' پر موجود ہے۔

''چنانچہ حسب معمول دربار عام لگا ہوا ہے۔امام زین العابدینؑ اپنی جگہ بیٹھے ہیں۔ سرامامؑ مظلوم طشت میں یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے امورِ مملکت پیش ہو رہے ہیں۔ یزید احکام جاری کررہا ہے۔ابومخنف بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی سردار جسے راس الجالوت کہا جاتا ہے، اپنے کسی کام سے حاضرِ دربار ہوتا ہے سر مبارک کو دیکھتا ہے۔ یزید سے دریافت کرتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے؟ یزید نے کہا کہ یہ حسینؑ کا سر ہے۔سردارِ یہود پوچھتا ہے کہ حسینؑ کی ماں کا نام کیا تھا؟ یزید نے بتایا کہ وہ فاطمہؑ بنت محمدؐ مصطفیٰ کا بیٹا تھا۔جالوت نے پوچھا کہ وہ کیا قصہ تھا جس سے حسینؑ کا قتل کرنا واجب ہوگیا تھا؟اس نے بتایا کہ باشندگانِ عراق نے حسینؑ کو بلایا تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ حسینؑ کو میرے مقابلہ پر اپنا خلیفہ بنالیں۔چنانچہ میرے ایک گورنر عبیداللہ ابن زیاد نے حسینؑ کو قتل کردیا۔یہودی سردار نے کہا کہ حسینؑ سے زیادہ کون خلافت کا حقدار

ہوسکتا تھا جب کہ وہ بقول تمہارے، تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند بھی تھا؟ جس کا تم انکارنہیں کر سکتے ہو۔لہٰذا تم سے بڑا کافر کون ہوسکتا ہے۔اور مسلسل کہا کہ اے یزید سن کہ مجھ میں اور حضرت داؤد نبیؑ میں ایک سوتیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔اس کے باوجود تمام یہودی لوگ میری تعظیم کرتے ہیں اور اپنی شادی بیاہ وغیرہ میری رضامندی کے بغیرنہیں کرتے ہیں۔اور میرے پیروں کے نیچے کی مٹی بطورِ تبرک اُٹھا کر گھروں میں رکھتے ہیں۔اور تمہارا نبیؐ تو کل تمہارے سامنے موجود تھا اور آج تم نے اس کے بیٹے پر حملہ کرکے اسے قتل بھی کرڈالا ہے۔خدا تمہیں اور تمہارے اس دین کو غارت کرے جس پر تم عمل کرتے ہو۔ یزید نے یہودی سردار سے کہا کہ اگر مجھے رسولؐ اللہ کا یہ حکم نہ پہنچا ہوتا کہ ''جو کوئی معاہدہ والے شخص کو قتل کردے میں اس کا قیامت میں مخالف ہوں گا۔'' تو میں یقیناً تجھے قتل کردیتا۔ یہودی نے کہا کہ چہ خوش، معاہدہ کرنے والے کے قتل پر تو محمدؐ مدعی اور مخالف ہوں گے مگر اپنے بیٹے کے قتل پر کچھ نہ کہیں گے؟ پھر یہودی نے کہا کہ یا اباعبداللہؑ! آپؑ اپنے نانا رسولؐ اللہ کے سامنے میرے ایمان کی شہادت دینا۔، چنانچہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودنہیں ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ یہ سن کر یزید نے دلیل پیش کی کہ اب تو اپنے سابقہ دین سے نکل گیا اور اسلام میں داخل ہوگیا۔لہٰذا اسلام میں داخل ہوتے ہی ہم پر تیرا قتل کرنا جائز ہوگیا۔ چنانچہ یہودی سردار کو قتل کرادیا۔''

یہ ہے یہودیوں کا ایمان وعقیدہ اور دوسری طرف یزیدیوں کا مذہب کہ جس میں اسلام اختیار کرنے پر مسلمانوں کا خون یا قتل حرام نہیں ہوتا بلکہ جائز ہوجاتا ہے حالانکہ اسلام لاتے ہی پچھلے تمام جرم معاف ہوجانے کا عقیدہ بھی موجود ہے۔ بیرونی ممالک اور غیر مسلم اقوام میں اس یزیدی مذہب کے خلاف جو نفرت پھیلی اس کی

بنیادی وجہ واقعہ کربلا ہی تھی جو آج تک موجود ہے۔اس مذہب و قانون پر چلنے والی حکومتوں کے خلاف جو ردِ عمل اور جنگیں قائم ہوئیں ان کی اصلی اور لازوال وجہ بھی خاندانِ رسولؐ کا قتل عام تھا۔اور جب تک یزیدی تصورات اور مذہب دنیا میں رہیگا، حسینیتؑ اس کا تعاقب کرتی رہے گی۔ساری اقوام اس کے خلاف محاذ بنائے رکھیں گی۔اور رفتہ رفتہ دنیا کو اس مذہب کی آکاش بیل سے نجات دلا کر رہیں گی۔اسلام کے نام پر ہمیشہ دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔یزید کے فعل کو اجتہادی غلطی کہہ کر اس کا جرم بھی ہرگز ہلکا نہیں کیا جا سکتا۔

7) اجتہاد اور اجتہادی غلطی

دینِ اسلام اور قرآن کو نام نہاد قومی و ملکی مصلحتوں کی خاطر اپنے خود ساختہ اصولوں سے پابند اور مجبور کر دیا گیا تھا۔گویا یہ لوگ دین اور قرآن پر حاکم ہیں۔نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اپنے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کے تحت نواسۂ رسولؐ امام حسینؑ جیسی ہستی کو واجب القتل قرار دے دیا۔اس فتویٰ پر چھ سو حرامزادوں نے دستخط بھی کر دیئے خدا لعنت کرے ایسے ملعونوں پر۔امامؑ عالی مقام نے ثابت کر دیا کہ دینِ اسلام میں رائے اور قیاس کا ہرگز دخل نہیں۔دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کو مکمل کرنے کیلئے نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ اجتہادی غلطیوں کی گنجائش ہے۔

8) فروعات

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، اور جہاد

قارئین یقین کر لیں کہ قدرت نے اسلام میں جتنے بھی اعمال فرض کئے ہیں، اللہ کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔یہ تمام اعمال انسان کی فلاح، بخشش اور نجات کے لئے مقرر کئے ہیں۔یہ تمام اعمال قربتِ الٰہی کی غرض سے کئے جاتے ہیں۔قبول

ہو جائیں تو خوشنودی خدا حاصل ہوتی ہے اور ابلیس مایوس ہو جاتا ہے۔اگر تمام دنیا ان کا انکار کر دے تب بھی ذاتِ باری تعالیٰ کا کچھ بگڑنے والا نہیں ۔لیکن اللہ کے افعال کے امین ، مدبرات الامور یعنی محمدؐ و آل محمدؐ انسانیت کی فلاح ،بخشش اور نجات کے لئے انتہائی حریص پائے گئے ہیں ۔اوران کے حریص ہونے کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سند عطا فرمائی ہے۔

قدرت نے یہ تمام اعمال عمر، صحت اور معاشی حالات کے تحت فرض کئے ہیں ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ مقصد ہے ۔یعنی ایک عمل کا مقصد دوسرے سے پورا نہیں ہوسکتا۔ہم پر پنجگانہ **نماز** فرض کی ،تا کہ ہمارے شب و روز صاف ستھرے اور ایک ضابطہ میں آجائیں ۔نماز دین کا ستون ہے ۔تمام تر معاشرتی فوائد کے علاوہ نماز مومن کی معراج ہے ۔ہمیں صبر وصلوٰۃ سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ذکر اللہ کے لئے نماز قائم کرنے کا حکم ہے۔

روزہ: روزہ ڈھال ہے۔اللہ نے چاہا ہے کہ امیر بھی بھوک پیاس کا مزہ چکھے تا کہ اس کا دل نرم ہو۔بھوکوں پر رحم کرے،خواہشات میں کمی ہو، دنیا میں آخرت کی سختیوں کی نشاندہی ہوتی رہے اور یہ علم ہو کہ غریب و مسکین کیا کیا سختیاں برداشت کرتے ہیں۔ روزہ دار سوتے میں بھی عبادت کرتا ہے روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے تا کہ ہمارے رزق میں حرام کی ملاوٹ سے ہمارے اجسام پر جو غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں قدرت انہیں آہستہ آہستہ دور کر دے ۔شرط پھر وہی قبولیت کی ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ کثرت اعمال کی بجائے قبولیتِ اعمال کی طرف توجہ دی جائے۔

زکوٰۃ: صاحبِ نصاب لوگوں کے لئے اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ ہمارے اموال پاک ہوتے رہیں ۔غربت ختم ہو۔فقرا کے رزق و روزی اور امرا کے اموال میں برکت،

اضافہ اور حفاظت ہوتی رہے۔

خمس: اس کو فرض کیا گیا تا کہ آل محمدؐ کے معاشی حالات مضبوط رہیں۔اور انہیں صدقے کی کثافت سے دور رکھا جائے۔

حج: یہ بھی صاحبِ حیثیت لوگوں کیلئے فرض کیا گیا تا کہ وہ مشقت سے گزریں۔ حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور مس کرنا اس لئے مقرر کیا کہ عہد و میثاق ادا ہو۔پورا کا پورا حج امامؑ کی ملاقات پر موقوف ہے۔طوافِ کعبہ کے بعد حجتِؑ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے تمام وسائل پیش کریں اور ان کی ولایت و نصرت کا اقرار کریں۔اور حجتؑ خدا ان کے علاقہ کے ضرورت مندوں ،غربا، مذہبی و معاشی سائلین کے لئے اور حوادث و آفات سے بچاؤ اور بدعتوں کے تدارک کیلئے حکم صادر فرمائیں۔

جہاد: حجتِؑ خدا کی سربراہی میں دین کی ترقی اور پھلنے پھولنے کے لئے فرض کیا تا کہ اللہ کے حضور شہادت جیسے عظیم درجات، جو ہماری عقل و شعور سے بھی باہر ہیں، حاصل کر سکیں۔

لیکن!! یزید اور اس کے بزرگ راہنماؤں اور حکمرانوں نے اقتدار حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے قومی و ملکی مصلحتوں اور ضرورتوں ،افرادی اور اجتماعی ضرورتوں کے تحت دین کو مسخ کرنا شروع کیا۔اور ایسے حالات سے دوچار ہوئے کہ پورے کے پورے دین کو فوجی مقاصد اور ملکی مفاتح پر تقسیم کر دیا۔اور،

1۔ نماز کو مسلمانوں کی مردم شماری یا افرادی قوت کا اندازہ لگانے کا ذریعہ بنایا گیا۔

2۔ زکوۃ کو سرکاری ٹیکس اور سرکاری واجبات وصول کرنے کا وسیلہ مقرر کیا گیا۔

چنانچہ جو نماز پڑھے ،مسلمان ہے اور جو مسلمان ہو اس پر زکوۃ فرض ہے۔لہٰذا ہر مسلمان پر حکومت کی مالی مدد واجب ہوئی مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لئے۔

3۔ جہاد فرض اور بہترین ذریعہ ٹھیرا جغرافیائی فتوحات کا دور شروع ہونے کے لئے۔ جہاد سے غنیمت آئے گی، (حالانکہ خلافت کے شروع کے دور میں ہی یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں غنی بن چکے تھے، اور غریب، غریب تر ہوتے جا رہے تھے۔) مسلمانوں کی مالی پوزیشن ترقی کرے گی اس میں سے پانچواں حصہ یعنی؛

4۔ خمس وصول کر لینا (آل محمدؐ کا حق غصب کر کے) فرض ہونا ہی چاہئے۔ یوں سرکاری خزانہ بھرے گا۔ باقی ماندہ غنیمت مسلمان مجاہدوں میں جا کر زکوٰۃ دینے کی استطاعت بڑھائے گی جو پلٹ کر سرکاری خزانہ میں آئے گی۔ مجاہدین کی مالی حالت مسلمانوں کو مجاہد بنا کر میدان جنگ میں لائے گی۔ فوجی پیش رفت کے لئے افواج میں اضافہ ہوگا اور نتیجتاً جہاد، غنیمت، خمس پھر زکوٰۃ وغیرہ کے چکر میں اضافہ ہوگا۔

5۔ روزہ: میدان جنگ کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کی مشق کے لئے لازمی ذریعہ ثابت ہوگا۔

6۔ حج سفر اور حضر کا فرق بتائے گا اور دور دراز فوجی مارچ میں ممد رہے گا۔

7۔ سربراہان قوم سے محبت اور دشمنانِ قوم سے (تولا، اور تبرا کا اختیار کردہ معیار)

8۔ عداوت، افرادی، قومی اور ملکی بقا کا سبب ٹھہریں گے۔

قارئین یہ ہیں آٹھ عدد فروعات۔ اسی قومی و ملکی ہشتگانہ فروعی ڈھانچے کو محفوظ و برقرار رکھنے کے لئے خودساختہ فقہی اصول، عقائد اور انتظامی قوانین وضع کئے گئے اور پورے کے پورے مذہب اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیا گیا۔ ایک حکومتی مذہب پورے شدومد اور جبر و ظلم کے ڈنڈے سے اور تائید طاغوت سے رائج کر دیا گیا۔

9) **شہادت کا معیار**

حکومتی مذہب اور مذہب اسلام کے حتمی ٹکراؤ اور جنگ کا نام ہی کربلا ہے۔ امامؑ

عالی مقام نے مدینہ سے سفر، مکہ میں حج کو عمرہ میں تبدیل کرنے، مکہ سے کربلا اور کربلا میں قیام سے عاشور محرم تک اسلام میں مقرر کردہ تمام فرائض کو اپنی اصل بنیادوں پر قائم کیا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس کے ہر ہر پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے ان پر عمل کر کے قائم رہنے والی بنیادوں پر استوار کیا۔ ان تمام اعمال کے مقرر کردہ انسانی فلاح و بخشش ونجات جیسے تمام نتائج مرتب کر کے دکھائے۔ امامؑ نے ہر فرع کے اصول اور معیار کو عملاً خدائی معیار پر قائم کر کے دکھا دیا۔ حکومتی مذہب نے اور اس مذہب پر ایمان و عقیدہ رکھنے والے گروہ کے لوگوں نے بھی آج کل جس طرح اسلام کے ہر مسئلہ کا مذاق اڑایا ہے، اسی طرح لفظ ''شہید'' اور ''جہاد'' کو بھی بدنام کر دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ حکومت کے خلاف جلاؤ گھیراؤ کرنے نکلے، غریب مزدوروں کی ٹیکسیاں جلائیں، دکانیں لوٹیں، پولیس کی فائرنگ سے مرے اور شہید کا لقب حاصل کر لیا۔ دو چار مسلح افراد کسی کا گھر لوٹ لیں تو اس کا نام دفعہ 395 میں ڈاکہ زنی ہے اور نہایت سنگین سزا ہے۔ لیکن دس بارہ ہزار آدمی کسی ملک میں قتل و غارتگری اور لوٹ مار مچائیں تو یہ بھی ڈاکہ ہے۔ اس میں مرنے والوں کو شہید کہنا اسلام کی توہین ہے۔ شہید کا مرتبہ قرآن و حدیث میں رسولؐ اللہ نے بیان فرمایا ہے اور امامؑ عالی مقام نے اس کے ہر پہلو پر عمل کر کے اس کی حقانیت کو ثابت بھی کیا ہے۔ شہادت کا حصول صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ پہلے انسان خود بے گناہ ہو، کوئی دینی اشتعال نہ ہو، اپنے مخالف پر ہر اسلامی حجت پوری کر چکا ہو، ترک وطن کے لئے تیار ہو، صلح اور امن کے تمام مواقع بند ہو چکے ہوں، کوئی ذاتی، قومی یا ملکی عصبیت درمیان میں نہ ہو۔ اب خالص اپنے مذہب کے تحفظ کیلئے معصومؑ راہنما کے حکم سے خود کو قربانی کیلئے پیش کرے۔ دفاع میں قتل کرے تو غازی (اور غازی کے ہاتھوں مرنے والا یقیناً جہنمی

ہونا چاہیئے)اور قتل ہو جائے تو شہید اور یقینی طور پر جنتی اور زندۂ جاوید۔جیسا کہ امامؑ عالی مقام کے سر مبارک نے قرآن کی تلاوت کر کے عملی مظاہرہ کیا۔شہید کا قاتل ہمیشہ جہنمی ہوتا ہے اور شہید کے ہاتھ سے قتل ہونے والا بھی ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوتا ہے۔

10) خبیث اور طیب مومن

دینِ اسلام میں ایمان لانے والوں میں اپنی جان و مال محفوظ رکھنے اور مصلحتاً اطاعت قبول کرنیوالوں کی کثرت موجود رہی۔جو چند اصولوں پر ایمان لائے اور کچھ اصولوں سے حق پوشی کرتے رہے اور مشکوک ایمان لائے۔اس طرح خبیث مومنوں کی تعداد کثرت میں موجود رہتی چلی گئی۔دیگر اقوام عالم ان حکمرانوں ،حکومتوں اور ایسی تمام عوام کو مسلمان سمجھتی رہیں۔اس گروہ کے یہاں قاتل اور مقتول دونوں رضی اللہ ہیں۔جہاں جائز خلیفۂ رسولؐ کے باغیوں کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جائے، جہاں لعنت کرنے والا بھی صحابہ میں داخل ہے اور جس پر لعنت کی جارہی ہے وہ بھی رضی اللہ عنہ ہے، جہاں زانی بھی بہترین مسلمان ہے اور پارسا بھی اس کے برابر ہے۔

دوسری طرف کسی کو طیب و پاکیزہ اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب کہ وہ ناپاک اور گندی چیزوں سے الگ رہے۔حرام وحلال، جائز و ناجائز کو ملحوظ رکھے۔جس کے اعمال وافکار میں کسی خباثت کی کھپت نہ ہو۔جو ظالم ومظلوم کو برابر نہ سمجھے جو اپنا رشتہ اللہ، رسولؐ اور مسلّمہ پاک وطاہر لوگوںؑ سے قائم کرے۔جس کے دل میں کسی خبیث اور بدکردار شخص کی گنجائش نہ ہو۔جو مومنین کو بے قصور قتل کرنے والوں کو جہنمی اور لعنتی سمجھے۔جو ناجائز لعنت بھیجنے والوں کو لعنتی قرار دے۔سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''اللہ کے لئے یہ شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ مومنین کو اِس حالت میں رہنے دے جس میں تم لوگ اِس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ خبیث مسلمانوں کو نیک نہاد مسلمانوں سے الگ کر کے تمیز قائم کر دے۔ اور اللہ کے لئے یہ بھی شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ تمھیں اپنے اس پوشیدہ طریق اور وقت پر مطلع کر دے۔ بات یہ ہے کہ اس قسم کی اطلاع ان رسولوںؑ کو دی جایا کرتی تھی جن کو اس عملی تطہیر کے لئے ضروری سمجھا اور منتخب کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تطہیر کے معاملے میں اللہ اور رسولوںؑ پر ایمان لاؤ اور اگر تم اس عمل درآمد پر ایمان لے آؤ اور متعلقہ ذمہ داریاں پوری کرو تو تمہارے لئے اجرِ عظیم مقرر ہے۔'' (3/179)

اس آیۂ مبارکہ میں یہ وعدہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دونوں اقسام کو الگ الگ کر کے ایک دوسرے سے ممیّز و مشخّص کرے گا۔ رسوؐل اللہ اور اسلام پر ایمان لانے والوں کی قسمیں دو تھیں۔ دونوں مسلمان تھے، دونوں برابر باقی رہے اور آج تک باقی ہیں اور دونوں جنت اور دوزخ میں جا کر بھی باقی رہیں گے۔ <u>60 ہجری تک دونوں گروہ مخلوط چلے آ رہے تھے لیکن کربلا میں نجات دہندۂ انسانیت امامِؑ عالی مقام نے قرآن کا وعدہ پورا کر دیا۔ آپ ہی وہ ہستی ہیں جس نے طیب مومنوں کو سرفراز کیا اور خبیث مومنوں کے چہروں سے نقاب نوچ ڈالا اور دونوں گروہوں کو ایسا مشخّص کر دیا کہ اب تا قیامت کوئی اس شناخت کو مٹا نہیں سکتا۔</u> ہر لمحہ، ہر روز، ہر ماہ اور ہر سال ان دونوں گروہوں کو شناخت کرنے کا سامان پیشِ نظر ہے۔ گھروں سے لے کر گلیوں بازاروں اور سڑکوں پہ دن رات اس خبیث گروہ کو شناخت کرنے کے لئے سامان اور ذرائع کی نمائش ہوتی ہے۔ ظالم اور ظالموں کے طرفدار ایک گروہ ہے۔ مظلوم اور مظلوموں کے طرفدار دوسرا گروہ ہے۔ ظالم اور مظلوم دونوں ہرگز رضی اللہ

عنہ نہیں ہو سکتے ۔ کیونکہ اللہ خبیث مسلمانوں سے ہرگز راضی نہیں ہوسکتا۔ جو انہیں یعنی ان دونوں گروہوں کو ایک جیسا کہے یا ایک قرار دے اسے بھی خبیث گروہ میں شامل کرلیں۔

11) رزق وحیات (واقعہ کربلا کے بعد)

سانحہ کربلا میں اس انتہائی ظلم و بربریت کے بعد بھی اس کرۂ ارض پر زندگی اور اس کا رزق باقی ہے۔ یہ بھی صرف اور صرف اس محسنِ انسانیت اور خون بے شیرؑ کا صدقہ ہیں۔ امام حسینؑ جب آخری قربانی پیش کر چکے تب چاہا کہ حضرت علیؑ اصغر کا وہ چلو بھر خون آسمان پر پھینک دیں مگر آسمان نے انکار کر دیا کہ اگر یہ خونِ ناحق قطرہ بھر بھی آسمان کی طرف آیا تو اس کے بعد آسمان سے کبھی ایک قطرہ بارش نہ برسے گی۔ پھر چاہا کہ زمین پر ڈال دیں، زمین نے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پھر اس کے بعد قیامت تک کے لئے زمین بنجر ہو جائے گی، کچھ بھی نہ اُگ پائے گا۔ اس نجات دہندہ انسانیتؑ نے وہ خونِ ناحق اپنے چہرہ مبارک پر خضاب کرلیا اور زمین پر زندگی کو بقا بخش دی۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر آج ہم زندہ ہیں، ہمارا رزق موجود ہے، سانس لینے کے لئے ہوا، آکسیجن وغیرہ موجود ہے تو یہ سب اسی خون بے شیرؑ کا صدقہ ہے۔ ہمارا ہر ہر سانس کربلا کا مقروض ہے۔ ہمیں رزق حاصل ہونے پر ہمہ وقت کربلا والوں کا شکر گزار رہنا چاہئے۔ انہیں سلام و درود سے یاد رکھنا چاہئے۔ (صلوٰۃ اللہ علی الحسینؑ واصحابہٖ) اسکے ساتھ ساتھ چاہئے کہ انکی حسرتوں کا خیال رکھا جائے۔ ہم اس وقت حالت قرض میں ہیں، یعنی ہم شہدائے کربلاؑ کے مقروض ہیں۔ انؑ کا انتقام ہر روز ہمیں پکارتا ہے۔ اس قرض کی ادائیگی ہم پر واجب ہے۔ ہمیں امام المنتقمؑ کا ناصر بن کر کربلا والوں کے دلوں کو چین فراہم کرنا ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے

زمانے کے امامؑ کی طرف رجوع کر کے ان کے حامی و ناصر بنیں۔

12) خونِ معصومؑ۔(حق و باطل میں حدِ فاصل)

امام حسینؑ کے استغاثہ پر شش ماہہ، حضرت علیؑ اصغر نے خود کو نصرتِ حجتؑ خدا کے لئے پیش کیا اس معصومؑ کی شہادت نے حق و باطل میں ہمیشہ قائم رہنے والی ایسی لکیر کھینچ دی جسے کوئی خبیث ذہنیت بھی مٹا نہیں سکتی۔ اس قربانی کے مقصد کی گہرائی ہماری عقل وشعور سے بلند ہے۔ ہاں اسکے ایک پہلو کا ادراک اس انداز سے کیا جا سکتا ہے کہ کچھ ہی عرصہ پہلے آرمی پبلک سکول پشاور (پاکستان) کے معصوم طلبا کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا۔ تقریباً 150 بچوں کو شہید کر دیا گیا۔ اس حادثہ نے عالمی رائے عامہ کو بلا تفریق مذہب وملت جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ دنیا بھر کے انسان چیخ اُٹھے، باطل کو باطل کہنے پر مجبور ہو گئے یہاں تک کہ اس گروہ کی حمایت کرنیوالوں کی زبانیں بھی گنگ ہو گئیں۔

13) حسینیؑ قربانیاں

صبر وضبط وتحمل، استقلال، اطاعت، وفا شعاری کا بے مثال نمونہ، انسانی تاریخ کا وہ آخری کارنامہ جس نے نوع انسان کو ہر جبر و استبداد کا کامیاب مقابلہ کرنا سکھایا۔ جس نے راہ و رسم وفا کی انتہائی معراج سامنے رکھ دی۔ جس نے موت ایسی تلخ حقیقت کو آسان وشیریں بنا دیا۔ جس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کی مکمل تعلیم پر عمل کرنے والا ایک مقدس گروہ پیش کیا۔ جس میں ایسے مومنین دیکھے گئے جن کی مثل و نظیر سورج کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ جس میں دودھ پیتے بچے سے لے کر عمر رسیدہ مرد اور خواتین موجود تھیں۔ مگر ہر سینہ میں ایک دل اور ہر سر میں صرف ایک دماغ بر سرِ عمل تھا جو اپنے فکر و عمل میں قطعاً ہم آہنگ تھے۔ جنہوں نے اپنی اطاعت اور وفا شعاری کو ایسے معیار پر پیش کیا کہ قوانینِ فطرت حیران وششدر رہ گئے۔ ملائکہ اور انبیاؑ

انگشت بدنداں تھے خود اُن کا راہنماؑ ان پر فخر کرتا رہا۔اللہ نے ان کی مدح وثنا جاری رکھی اورانہیں پوری کائنات میں وہ مقام بلند عطا کیا جوصرف ان ہی کے شایانِ شان تھا۔ان کا صبر وضبط،تحمّل واستقلال وجذبہ فداکاری اپنی مثال آپ ہے۔اس فداکار گروہ نے حجتِؑ خدا،امامِؑ وقت کے حکم کی اطاعت اوران کے مقاصد سے وفاداری کا بنیادی اصول انتہائی معیار پر زندہ کردیا۔جسکی مثال نہ پہلے تھی نہ آئندہ مل سکتی ہے۔ انہوں نے عملاً ثابت کیا کہ امامِؑ وقت کا حکم ہی اللہ ورسولؐ کا حکم ہے۔اس سے روگردانی حرام اوراطاعت لازم ہے۔ ہرتازہ حکم واجب الاطاعت ہے۔خواہ ہمارے عقل وشعوروقتی حالات کے تحت حکمِ امامؑ کے خلاف فیصلہ کررہے ہوں۔اللہ،رسولؐ اورامامؑ کی دوررس نگاہیں قیامت تک کے حالات کودیکھ رہی ہوتی ہیں۔اللہ،رسولؐ و امامؑ کے حکم میں کوئی تفریق نہیں ہوتی۔شبِ عاشورامامؑ نے اپنے انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ لوگ میری جان کے دشمن ہیں،مجھ سے بیعت کے طلب گار ہیں۔تم لوگوں سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔لہٰذا؛

i) میں تم سے اپنی بیعت اُٹھاتا ہوں،تم لوگ آزادہواپنی جان بچالو۔

ii) اگرایسے نہیں جانا چاہتے تومیرے اہل بیتؑ کوساتھ لے جاوٴ۔اُن کو مدینہ پہنچا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جانا۔

iii) جانا چاہوتو چلے جاوٴمیں تمہاری جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

vi) اگر روشنی میں جاتے ہوئے شرماتے ہوتو لو میں چراغ گل کر دیتا ہوں۔ اندھیرے میں خاموشی سے چلے جاوٴ۔یہ کہہ کر چراغ بھی گل کرادیا۔مگرواہ رے راہِ حق میں ثابت قدمی،کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔جب دوبارہ چراغ روشن ہوا توسب کی تلواریں بے نیام تھیں اورسب کی زبان پرایک ہی بات کہ ”اے فرزندِ رسولؐ ہم آپؑ

کو دشمنوں کے درمیان چھوڑ کر چلے گئے تو روزِ محشر رسولؐ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ آپؑ کی والدہؑ گرامی قدر کا کیسے سامنا کریں گے۔ یہ ایک زندگی تو کیا اگر بار بار زندگی ملے تو ہر بار آپؑ پر نثار کر دیں۔‘‘

انصارانِ حسینؑ تمام کے تمام باوفا اور اطاعت شعار تھے، لیکن حضرت عباسؑ علمدار، جن کی شخصیت صرف معصومؑ ہی بیان کر سکتے ہیں، حکمِ امامؑ اور ان کے مقاصد سے وفا اور اطاعت شعاری میں سب سے بلند معیار پر تھے۔ بھائی ہونے کے باوجود انہوں نے ہمیشہ خود کو حجتِ خداؑ کے غلام کی حیثیت پر رکھا۔ وقت اور حالات کا پانسہ پلٹنے کی طاقت رکھنے کے باوجود حکمِ امامؑ پر ہمیشہ سرِ تسلیم خم رکھا۔ حکمِ امامؑ ہی ان کے لئے آخری خدائی حکم تھا۔ آپؑ چونکہ انصارانِ حسینؑ کے سالا رو سربراہ تھے لہٰذا آپ کی وفاداری واطاعت شعاری کو تسلیم کر لینا ہی انصارانِ حسینؑ کی وفا اور اطاعت شعاری پر مہرِ تصدیق ہے۔

14) قربانی اور شہادت

اللہ کی راہ میں حق کی خاطر جان و مال کی قربانی اور شہادت کے عظیم رتبہ تک پہنچنا تخلیقِ آدمؑ سے قیامت تک جاری ہے۔ سورہ کوثر کی صورت میں رسولؐ پاک کو بھی قربانیوں کا سلسلہ مسلسل رکھنے کا حکم دیا گیا۔ انسانی تاریخ میں قربانیوں اور شہادتوں کی معراج صرف اور صرف امامؑ عالی مقام اور انصارانؓ ہی کو حاصل ہے اور رہے گی۔ اس کی مثال اب تک نہ ہے نہ آئندہ کبھی دی جا سکے گی۔ شہدا زندہ و جاوید ہوتے ہیں، ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے، وہ رزق پاتے ہیں، جنت میں رہتے ہیں، اس دنیا میں اپنی مرضی سے آتے جاتے ہیں اور اپنی آئندہ آنیوالی نسلوں کی حفاظت کا بندوبست کرتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد کو بخشوانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ امام عالی

مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے انصارانؑ کو یقین و اطمینان کی تمام منزلوں سے گزار کر حق الیقین کی منزل تک پہنچا دیا۔ اللہ و رسولؐ اور قرآن کے تمام وعدوں پر اطمینان دلا دیا۔ شب عاشور انہیں جنت میں ان کے اپنے اپنے مقام دکھا دئے۔ شہادت کے بعد انہیں زندہ کر کے اپنے اپنے خاندانوں میں بھیجا۔ آئندہ نسلوں کی حفاظت و بخشش کا استحقاق عطا فرمایا۔ ہر وعدہ کی تکمیل فرمادی۔ اور آئندہ انسانوں کیلئے اللہ کی راہ میں قربانیوں اور شہادتوں کے عظیم رتبوں کی منازل طے کرنے کیلئے آسانیاں اور اطمینان فراہم کر دیا۔

15) انسانیت کی معراج

انصارانِ حسینؑ غیر معصوم و خطا کار تھے۔ انہوں نے نجات دہندہ انسانیتؑ کے ساتھ منسلک ہو کر اور اُن کے مقاصد کے حصول کی خاطر اپنے تن، من، دھن، اعزہ و اقربا کی قربانیاں دے کر انسانیت کے انتہائی عروج کی منزل پر قدم رکھ دیئے۔ رسول اللہ نے انہیں اپنا ''بھائی'' فرمایا۔ ہر امامؑ نے شہدائے کربلاؑ پر درود بھیجا اور ہمارے لئے ایک اعلیٰ ترین مثال قائم کر دی کہ ایک خاطی بھی اس رتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔ آج بھی یہ راستے کھلے ہیں۔ انصارانِ حسین علیہم السلام آج انصارانِ امام العصر والزمان علیہم السلام کی راہ تک رہے ہیں۔ امام محمد باقرؑ کی حدیث ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے اصحابؑ سے روز عاشور فرمایا تھا؛

''میں آپؑ سب کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ یہ بات جان لو کہ خدا کی قسم ہمارے خلاف جو کچھ ہونا ہے جب یہ سب کچھ ہو جائے گا جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے گا اور جو اس کی مشیّت میں ہوگا، ہم مخصوص مقام میں ٹھہریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپؑ سب کو وہاں سے باہر نکال لائے گا۔ ایسی حالت میں ہمارے قائمؑ کا ظہور پُر نور ہوگا۔

پس ہمارے قائمؑ سارے ظالموں سے انتقام لیں گے۔اس وقت میں خود اور آپؑ سب ان ظالموں کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے اور ہم انہیں مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا مشاہدہ کریں گے۔ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جارہا ہوگا۔اور ہم سب اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے۔پس آپؑ سے سوال کیا گیا۔ یا ابن رسولؐ اللہ آپ کے قائمؑ کون ہوں گے؟ امام حسینؑ نے فرمایا وہ میرے بیٹے محمدؑ ابن علیؑ الباقرؑ کے ساتویں فرزند ہیں۔ہمارے قائمؑ ہیں اور وہ حجتؑ ہیں جو حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ ہیں اور محمدؑ میرے بیٹے علیؑ کے فرزند ہیں اور وہ ؑہمارے (قائمؑ) ایک لمبی مدت کیلئے غائب ہوں گے پھر ظہور فرمائیں گے اور زمین کو عدالت وانصاف سے بھر دیں گے۔جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔‘‘

(بحوالہ اثبات الرجعة و مقتل الحسینؑ المقرم)

16) انسانیت کی فلاح، بخشش اور نجات

ابلیس کو انسانوں کو اغوا کرنے، ورغلانے، اُن کی آل واولاد اور مال میں شرکت کرنے کی وقتِ معلوم تک کُھلی چھٹی، امامؑ عالی مقام امام حسینؑ کے بھروسہ پر ہی دی گئی تھی۔اگر کربلا نہ ہوتی تو صرف صالحین اور چند گنے چنے افراد ہی جنت کے حقدار بنتے اور باقی تمام اولادِ آدمؑ واصل جہنم ہوتی۔کربلا کے واقعہ نے وقوع پذیر ہونے سے پہلے، یعنی تخلیق آدمؑ سے لے کر وقوع پذیر ہونے، اوراس کے بعد قیامت تک، انسانیت کے لئے فلاح، بخشش، نجات اور جنت کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ کربلا جہنم اور انسانیت کے درمیان حائل ہوگئی۔ہر نبیؑ اس معلیٰ سرزمین سے گزرا۔ اس دن کی یاد میں صعوبتیں اٹھائیں، خود کو تکلیف میں رکھا اور قدرت نے ان کے اصلاح حال کے لئے ہمہ وقت ذمہ داریاں اُٹھالیں۔ہر شب جمعہ تمام آئمہؑ، انبیاؑ،

شہداؑ اور ملائکہ، امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت اور عزاداری کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔اس گنبد کے نیچے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔اس واقعہ کی یاد میں ایک آنسو کے عوض جہنم حرام کر دی گئی۔اللہ کی قریب ترین کنیز، جناب سیدۃؑ النساء العالمین، جنت کی عورتوں کی سردارؑ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ''جب تک میرے بیٹےؑ کے عزادار جنت میں نہیں جائیں گے میں جنت میں نہیں جاؤں گی۔'' زواروں کا مقام تو کُجا ان کے قدموں سے اُڑی ہوئی دھول بھی اگر کسی غیر مسلم پر پڑ جائے تو وہ بھی اس فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ساری عمر حضرت علیؑ اور ان کی حکومت پر سبّ وشتم کرنے والا، کھلے عام عتاب مانگنے والا شخص، دریا کے کنارے بیٹھا چند لمحے صرف یہ سوچتا ہے کہ اگر اتنے پانی میں سے چند گھونٹ امامؑ عالی مقام کو دے دیتے تو کیا حرج تھا۔ صرف اس سوچ پر ہی اسے دنیا میں عذاب سے محفوظ رکھا گیا۔حضرت زہیرؓ ابن قین اور حضرت حرؓ کو دیکھ لیں، چند لمحوں میں کیسے کایا پلٹی کہ لعنت اللہ سے علیہ السلام اور لائق درود وسلام بنا دیا۔بخشش ونجات کا یہ لامحدود پروگرام اور دائمی ہدایت کا راستہ جو امام عالی مقام علیہ السلام نے کربلا میں متعارف کرایا تھا وہ ہر دور میں موجود رہا ہے۔ آج بھی بابِ نجات کھلا ہے۔انسانی ترقی کی راہیں کھلی ہیں۔

17) شفیعُ المذنبین

واقعی حسینؑ، رسوؐلِ خدا سے ہیں اور رسوؐلِ خدا حسینؑ سے ہیں (حدیث)۔اپنے عزاداروں اور زواروں کے لئے شافع ہیں۔سنگین ترین جرم کرنے والے لوگ بھی حضوؐر سے منسلک ہو کر پروانۂ جنت ہی کے نہیں، بلکہ رسوؐلِ پاک کے بھائی کہلائے اور درود وسلام کے مستحق بھی قرار پائے۔حضرت حرؓ نے نہایت سنگین جرم کیا، مگر ناصرِ امامؑ بنتے ہی پانسہ پلٹ گیا۔امامؑ کے مہمان بنے، سیدۃؑ النساء العالمین کے ہاتھ کا بنا

ہوا رومال نصیب ہوا۔اور درج بالاتمام مراتب حاصل کیئے ۔جناب زہیرؑ بن قین امیر معاویہ کی حمایت میں حجتِ خداؑ کے خلاف جنگ میں شامل رہے۔سو فیصد جہنمی تھے،لیکن واہ رے سید الشھداؑ! حتمی طور پر جہنمی شخص کو طاغوت کے سخت پہرے کے باوجود دن دِہاڑے طاغوتی نظروں کے سامنے سے جھپٹ لیا اور اپنے رحمانی گروہ میں شامل ہونے پر جہنم ہمیشہ کے لئے حرام کر دی ۔انسانیت کی معراج اور لائقِ درود و سلام کا درجہ عطا فرما دیا۔

عاشور کے روز جب تمام انصارؑ شہید ہو چکے تھے،اس کٹھن وقت میں بھی اس شافعؑ اور رحیم و کریم ہستیؑ نے اعلان فرما دیا کہ ''اگر تم حجتِ خداؑ کے خون میں ہاتھ نہ رنگو تو میں اپنے تمام اعزّہ،اقربا اور انصار ان کا خون معاف کرتا ہوں۔''اس طرح قرآن کے وعدہ ''اللہ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہ ہوں'' کی رحمت للعالمینؐ کی حیثیت سے عملی صورت پیش کر دی۔

18) حکومتی مذہب اور مذہبِ اسلام

حکومتی مذہب صرف نام کا اسلام تھا۔اُن کے عقائد اور قاہرانہ نظام نے اسلام کی بساط ہی اُلٹ دی تھی۔آج بھی ان عقائد پر عمل پیرا لوگ اقوام عالم کی نظروں میں صرف اور صرف دہشت گرد ہیں ۔دیگر اقوام کے دانشوروں نے بالآخر کہہ ہی دیا ''ہر مسلمان دہشت گرد نہیں لیکن ہر دہشت گرد مسلمان ضرور ہے۔''یہ وہ دین و مذہب ہے جس کا نام خود اللہ نے رکھا اور پسند فرمایا تھا ۔اسلام کے معنی ''سلامتی ہی سلامتی'' ہیں،اپنے لئے،معاشرہ کیلئے اور دنیا کیلئے۔لیکن رسالت مآبؐ کے بعد حکومتی مذہب کو، بلکہ سلطنت کو پھیلانے کیلئے جس طرح تلوار سے عوام کے ضمیروں کو دبا کر اور ان پر پہرے بٹھا کر بھرپور کوششیں کی گئی تھیں وہ چند صدیوں میں سکڑتا سکڑتا اپنے

حقیقی و منطقی انجام تک پہنچ گیا۔آج بھی اس طرز فکر کے لوگ اپنا اختیار کردہ اسلام زبردستی مسلط کرنا چاہتے ہیں۔لیکن فکرِ حسینیؑ نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔دیگر اقوام عالم بلکہ دیگر مسلمان ہی اس زبردستی کے اسلام کو کچلنے کے درپے ہیں۔انبیائے کرامؑ اور ختمی مرتبت رسولؐ کریم کے پہنچائے ہوئے دین اسلام کو، کربلا میں امام حسینؑ نے ایک نئی روح پھونک کر بقائے دوام عطا فرمائی۔اسلام کو سلامتی کا مذہب ثابت کیا۔ اسقدر سلامتی کہ موت کو بھی شکست دے دی اور دنیا کو یہ سبق دے دیا کہ اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہمیشہ کیلئے سلامت اور زندۂ جاوید رہا جا سکتا ہے۔اور بتایا کہ ہمارا مذہب، معاشرے اور پوری دنیا کیلئے امن وسلامتی، بھائی چارے اور رواداری کا ذمہ دار ہے۔امامؑ عالی مقام نے اپنی قربانیوں سے حقیقی مذہب اسلام کو وہ بنیادیں فراہم کیں کہ بغیر کسی کراہت کے، دل کی آزادانہ رضامندی، حریت ضمیر کے ساتھ بنی نوع انسان حسینیتؑ میں شامل ہوتی جا رہی ہے۔جسموں کے بجائے دلوں اور روحوں پر حکومت قائم ہوتی جا رہی ہے۔گاندھی جیسا زیرک انسان قوم پرست اور متعصب ہونے کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ دنیا میں اسلام پھیلنے کی وجہ صرف اور صرف امام حسینؑ کی قربانیاں ہیں۔ <u>حقیقی مذہب کا اصلی صورت میں قائم رہنا اور اس کا دنیا میں پھلنا پھولنا مقاصدِ شہادت اور مقاصد عزاداری ہی میں مضمر ہے۔</u>

19) <u>نصرتِ امامؑ</u>

کسی شخص کی ذاتی کمزوری میں اس کو قوت دینا مدد کہلاتا ہے۔مددگار کے لئے صاحبِ استطاعت ہونا ضروری ہے۔شرعی معذوری (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی طرح) کے تحت مدد بھی ساقط ہو سکتی ہے۔جب کہ '' نصرت'' ذاتی نہیں بلکہ کسی مشن یا مقصد کی مدد کرنا ہوتا ہے۔امامؑ کی نصرت واجب و لازم ہے جس میں کوئی

شرعی عذر حارج نہیں ۔اس میں بھی ولایتؑ کی طرح کسی عورت مرد یا بچے کی رعایت نہیں ۔امامؑ عالی مقام نے جب عاشور کے دن نصرت کے لئے آواز استغاثہ بلند فرمائی تو خیمہ میں چھ ماہ کے معصومؑ نے بھی تڑپ کر جھولے سے خود کو گرا کر اپنی نصرت کا اعلان کر دیا۔ پھر یہ حجتِؑ خدا پر منحصر ہے کہ اپنے مشن و مقاصد کے تحت قربانی قبول فرمائیں یا قید و بند کی صعوبتوں اور تکمیلِ مقاصد کے لئے آئندہ پروگرام اور لائحہ عمل سونپ دیں۔ کربلا والوں نے انتہائی معیار قائم کر کے ہمارے لئے مشعل راہ اور دستور عمل سامنے رکھ دیا۔ اگر ہمیں بھی امام عصر والزماؑن کے انصار میں شامل ہونا ہے تو ہمیں بھی لائحہ عمل تیار رکھنا چاہیئے اور مسلسل عمل درآمد جاری رکھنا چاہیئے۔ ولایتؑ ِالٰہیّہ کی منشا و مصلحت کے مطابق اعمال بجالانے کا تہیہ کیا جائے۔ ولایتؑ الٰہیّہ ہی کو اپنی مہار سونپی جائے۔ قیام و استحکامِ ولایتؑ ہی کی غرض سے امامؑ زمانہ کے روبرو اپنی وفاداری ،نصرت و بضاعت اور وسعتیں پیش کی جائیں۔

20) <u>بیعت</u>

سودا دیکر قیمت وصول کر لینا ''بیع'' کہلاتا ہے۔ دین اسلام اور قرآنی الفاظ میں اپنے نفوس اور اموال کو اللہ کے ہاتھوں بیچ دینے کے عہد کو ''بیعت'' کہتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''یقیناً اَے نبیؐ جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ (یداللہ) ہوتا ہے۔ چنانچہ اب جو بھی اس بیعت کو توڑے یا توڑتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے بیعت لینے کے لئے اسے توڑے گا اور جو بھی اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے قبول کیا تو اللہ بہت جلد اس کو عظیم الشان اجر عطا کرے گا۔'' (سورہ الفتح 48/10)

بیعت کرنے والے اگر غلاموں کی طرح بلا چوں و چرا اطاعت نہ کریں تو قرآنی

الفاظ میں غدار و قابل گردن زدنی ہیں اور اس بیعت کی خلاف ورزی یقیناً دینی خلاف ورزی ہے۔ ایسا کرنے والا واصل جہنم ہوگا۔ اس عہد کو پورا کرنے والوں کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے، ''بالتحقیق اللہ نے مومنین میں سے ان کے نفوس کو اور ان کے اموال کو جنت کے یقینی عوض پر خرید لیا ہے۔ وہ فروخت شدہ مومنین راہ خدا میں مرنے اور مارنے کے لئے جنگ کرتے ہیں۔ اس خرید و فروخت اور عمل درآمد پر تمام کتب خداوندی میں ہمارا وعدۂ حق لکھا جا چکا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے ایفائے عہد میں۔ اپنی اس بیع پر جو انہوں نے اللہ کے ساتھ بیع کی ہے ہم سے مژدۂ بشارت سن کر مسرور رہوں۔ ان کی وہ بیع ہی تو فوز العظیم ہے۔'' (9/111)

حضرت علیؑ نے انسانی جان کی قیمت کی حقیقت بتاتے ہوئے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے؛

''کیا کوئی آزاد ذہنیت کا جوانمرد ایسا ہے جو اس چبائے ہوئے لقمہ (یعنی دُنیا) کو اسکے اہل کیلئے چھوڑ دے؟ حق یہ ہے کہ تمہاری جان کی قیمت صرف اور صرف جنت ہے لہٰذا جنت کے سوا کسی اور قیمت پر اپنی جان کو نہ بیچنا (بیعت کرنا)۔''

بات واضح ہوگئی کہ بیعت صرف انہی ہاتھوں پر ہوسکتی ہے جو انسان کو اللہ کی رضا اور جنت دلا سکتے ہوں، اُن ہاتھوں پر ہرگز ہرگز نہیں جو خود اللہ کی رضا کے متلاشی اور جنت کے متمنی ہوں۔ تمام انسان، غوث، قطب، ابدال، ولی اور صحابہ، اللہ کی رضا اور جنت کے متلاشی ہیں۔ صرف محمدؐ و آل محمدؐ ہی ہیں جو یداللہ ہیں، مرضات اللہ ہیں، جنتوں کے وارث ہیں۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن سے بیعت واجب و لازم ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی بیعت کرنا باطل اور حرام ہے۔ چہ جائیکہ یداللہ، مرضات اللہ اور جنتوں کے وارثوں سے بیعت طلب کرنا؟ وہ بھی یزید جیسے مشرک معاشرہ کی پیداوار، بدکردار، مذہبی، معاشی و معاشرتی دہشت گرد کی؟

مرتد نے شہنشاہؑ سے بیعت چاہی   گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی

مصداق ہوا معنیٔ تبت کا یزید   فرزندِ یداللہؑ سے بیعت چاہی

امامؑ کی عملی وضاحت کے بعد بیعت لینے کے حکومتی احکامات آئندہ ہمیشہ کے لئے دم توڑ گئے، ظالم و جابر حکومتوں کے سامنے کربلا میں بیعت طلب کرنے کے مہلک انجام ونتائج ہمہ وقت پیش نظر رہے۔

21) المودۃ

''مودۃ'' پسندیدہ محبت والی وابستگی، جس میں احترام و وقار کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مودۃ حسنِ کردار اور حسن عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اس لئے یہ اختیاری چیز ہے۔ ہم اسے ترقی دے سکتے ہیں، کم کر سکتے ہیں، ختم کر سکتے ہیں۔ مودۃ ہمیشہ دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک سوچی سمجھی ہوئی وابستگی اور سپردگی ہے جو محسوس و مشہود اکتساب و استفادہ کے لئے وقوع پذیر کی جاتی ہے۔ عام محبت حد سے بڑھ جائے تو دیوانگی وجنون کہلاتی ہے۔ مودۃ ایک لامحدود عمل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اللہ کو حکم دیا ہے کہ اپنے تمام مخاطبوں سے کہہ دیں کہ ''اللہ کے عظیم الشان فضل وکرم (مکمل اور ہر ہر قسم کا فضل اور اس کی برتری اور ہر وسعت) سے وابستہ کرنے کا اجر صرف یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تمام قسم کی مکمل ومحترم و باوقار وابستگیاں، اپنی تمام تمنائیں، تمام خواہشیں، تمام اُمنگیں، تمام امیدیں اور ہر قسمی لگاؤ اور لگن وابستہ کر دو، جو ہمہ گیر قربت (القربیٰ) کے حامل ہیں'' (سورۃ الشوریٰ 42/22-23)۔ جنہیں ہر قسم کی قربت حاصل ہے، جو قربتِ خدا و رسولؐ میں سب سے قریب تر حضراتؑ ہیں، اللہ سے جن لوگوں کو بھی کوئی مرتبہ حاصل کرنا ہو اُنؑ ہی کے وسیلہ سے حاصل ہوتا ہے جو ہر مخلوق پر حاضر و شاہد رہنے والے

حضرات ہیں اور ہر قسم کی قربتوں کے حامل ہیں۔

رسولِ پاک کے فوراً بعد ہی حالات، القربیٰ سے دشمنی اور حکومتی جبر و گرفت کے باعث اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ مسلمان حضرت علیؑ کو سلام تک نہ کرتے تھے اور انتہائے عداوت یہ کہ اگر حضرت علیؑ سلام کرتے تھے تو بھی لوگ جواباً وعلیکم السلام نہ کہتے تھے۔ لیکن کربلا والےؑ اس آیت کریمہ (42/22-23) کا مصداق بن گئے۔ القربیٰؑ کے ساتھ المودۃ رکھ کر، رسولؐ اللہ کو الفضل الکبیر کے ساتھ وابستہ کرنے کا اجر رسالتؐ قرآنی معیار پر ادا کر دیا جیسا کہ اس کا حق ہے۔ تن، من، دھن قربان کر کے رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے نمونہ عمل بن گئے۔ بیعت اور المودۃ کا سلیقہ سکھا گئے۔

22) <u>آزادیٔ ضمیر</u>

امامؑ عالی مقام اور انصارانِؓ حسینؑ نے قربانیوں اور قید و بند کی انتہائی صعوبتوں کے باوجود آزادیٔ ضمیر اور حریتِ انسانی کے زریں اصول پر عمل کی اعلیٰ ترین مثالیں رقم کیں۔ حق کی خاطر انتہائی کسمپرسی، ناتوانی، قلتِ تعداد اور نامساعد حالات میں بھی دل کی پوری رضامندی کے ساتھ جبر، ظلم و استبداد اور باطل حکومت کے باطل احکامات کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ امام عالیؑ مقام حجتؑ خداوندی کی جانب سے اپنے وفا شعار رفقائےؓ کار سے بیعت اُٹھانے، چراغ گل کروا کے واپس چلے جانے، اہل بیتؑ اطہار کو ساتھ لے جانے کی پیش کش اور آخر میں جنت کا وعدہ بھی ان جان نثاروں کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکا۔ جناب حرؓ (اسم با مسمّٰی) کو یزید اور یزیدی افواج سے وابستہ رہنے میں دُنیا کی تمام سہولتیں، نعمتیں، انعامات و مراد مندی، کامیابی کا یقین، آسائش و راحت اور آب و غذا سب کچھ فراہم تھا۔ افسری و سرداری و اقتدار حاصل تھا۔ مسلمانوں کی کثرت اور مسلمان کثرت کے مذہب کی

تائید حاصل تھی ۔ جب کہ امامؑ کی طرف تمام صورت حال ہی ہمت وحوصلہ شکن تھی ۔ قلتِ تعداد، بے کسی بے بسی، بربادی کا سو فیصد یقین، تین روز سے آب ودانہ قطعاً بند، حکومت کا عتاب، جس کے نتیجے میں اپنی اور اپنے تمام اہل وعیال کی تباہی کا خوف، لیکن اس کے باوجود دنیا کی تاریخ میں یہ بے مثال وبے نظیر مثال قائم ہوگئی کہ ہر ماں نے اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے سامانِ حرب سے سجا کر نصرتِ امامؑ کے لئے پیش کیا۔ تمام تر شدائد کے باوجود امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچوں، عزیز واقربا اور صحابہ میں سے کوئی ایک فرد بھی حسینؑ کو چھوڑ کر فوجِ یزید یا یزید کی پناہ میں نہیں گیا۔ امامؑ عالی مقام کی موجودگی میں بلکہ بعد از شہادت امامؑ بھی کسی ایک کم سن بچہ نے بھی حسینیؑ مشن کے خلاف عمل نہ کیا۔ یزیدی فوج کا ایک بہادر افسر ہوتے ہوئے حضرت حرؑ نے حق وحریتِ انسانی کی خطرناک ترین حمایت کر کے حسینیؑ فتح کا اعلان کیا۔ اور یزیدی اقبال واقتدار کی پشت پر ٹھوکر ماردی اور دُنیا میں حریتِ انسانی کی قدر و قیمت کا ایک بلند ترین روشن مینار چھوڑ گئے تاکہ دور دور سے لوگ دُنیاوی راحتوں کو نظرِ حقارت سے ٹھکرا کر حسینیؑ مشن میں شامل ہونے کیلئے آتے رہیں ۔ آج ہر قوم و ملک وملت میں ایسے بے شمار باضمیر انسان موجود ہیں جو ظلم و جبر و استبدادی حکومتوں کے غلط اقدامات کے خلاف اپنی جان و مال، عزت وآبرو کی پرواہ کئے بغیر آزادیٔ ضمیر کے ساتھ حق کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہی حسینیتؑ ہے۔

امام علیہ السلام کے ذاتی پروگرام کا آخری مرحلہ اپنی زندگی کو اپنے خالق و مالک کے حضور پیش کرنا تھا۔ جو خانوادۂ نبوتؐ کے لئے نہایت آسان کام تھا۔ لیکن امامؑ اپنی جان قربان کر کے منصوبۂ نبوتؐ ورسالتؐ کو ختم نہ کرنا چاہتے تھے ۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کی ہر قربانی، قربانیوں کے تمام دروازے کھول دے اور نوع انسان، انسانی

حریت اور آزادیٔ ضمیر کے تحفظ کے لئے سر بکف اور کفن بردوش ہو کر طاغوتی طاقت اور ہر ابلیسی حکومت سے ٹکرانا سیکھ لے۔اور اپنے خون و گوشت اور اموال و اولاد کو قربان کرنے میں دائمی لذت حاصل کرنے کا راز معلوم کرلے۔

23) تقویٰ اور تقیہ

وہ ذمہ دارانہ عمل درآمد جس میں عمل کے ضیاع کا اندیشہ تک نہ ہو۔ بلا کسی تصادم ومزاحمت، ظلم واستبداد، حق وحقیقت دنیا پر آشکار کرنا۔تقیہ میں دین اسلام کا 9/10 حصہ ہے۔امامؑ عالی مقام نے آیت تقیہ وتقویٰ پر سو فیصد عمل کر کے آئندہ نوع انسان کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والی، روشن، بے مثل و بے نظیر مثال قائم کر دی۔آپؑ اور آپؑ کا خانوادہؑ (صلوٰۃ اللہ علیہم) کس قدر قوتِ قدسیہ کا حامل تھا کہ طاغوت کے ہمہ گیر انتظام کے باوجود ساری دنیا سے اپنا کلمہ حق پڑھوانے میں کامیاب ہوا۔دنیا میں اپنی مودۃ، ہمدردی، حق پرستی اور پیروی گھر گھر پہنچادی، اپنے مخالفوں کو بلا کسی ظلم وجور کے دُنیا سے مٹا دیا، اپنے اثر سے ایسے انسان پیدا کئے جو حق کی خاطر موت سے پیار کرنے لگے، کربلا کا دردناک قصہ سن کر اپنے محبوب جسم کا خون اور اپنے گوشت کا قیمہ چھڑکنے لگے، امامؑ عالی مقام نے اسلام کو درد بنا کر تمام دردمند دلوں میں بسا دیا۔

24) اشتراکیت (مشرک معاشرہ)

دَورِ نبوتؐ سے پہلے نظامِ اشتراکیت عروج پر تھا۔اُس دور میں عورتوں کی اکثریت کا ذاتی کردار، اور جن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا جاتا تھا، انتہائی گھناؤنا تھا۔اس کو معیوب سمجھنے کی بجائے اس پر فخر کیا جاتا تھا۔دعوت عام کیلئے کوٹھوں پر جھنڈے لگائے جاتے تھے۔قدرت کے حرام کئے ہوئے رشتے آزادانہ طور پر جائز سمجھے جاتے تھے، نسلیں مخلوط ہو چکی تھیں۔کون کس کا بیٹا ہے، پتہ لگانے کیلئے ماہر

انساب سے فیصلے کرانا پڑتے تھے۔ دورِ نبوتؐ کے بہت سارے اکابر حضرات بھی اسی اشتراکیت کی پیداوار تھے۔ حضرت علیؑ نے کھلے میدان میں خطبہ کے دوران فرما دیا کہ "لا ابالکم" "تمہارے تو باپ ہی نہیں ہیں" اور مخاطبین خاموش تھے۔

شرک کا دوسرا پہلو خلافتِ الٰہیّہ میں شرکت تھا۔ جسکا بار بار تقاضا دورِ نبوتؐ میں ہوتا رہا اور اللہ نے ہر بار سختی سے منع کر دیا اور خلافتِ الٰہیّہ میں شرکت کو ظلم عظیم قرار دیا،

" لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ o" (لقمٰن 31/13) دورِ نبوتؐ کے بعد اس پر بھی ہاتھ صاف کر لئے گئے۔ خلافتِ الٰہیّہ میں شرک اور نظامِ اشتراکیت ترقی کرتے ہوئے دورِ یزید تک پہنچ گئے۔ اس نام نہاد اسلامی حکومتی مذہب میں ہمہ قسمی جبر، ظلم و جور، اشتراکیت، سب جائز تھی۔ آلِ محمدؐ اور اُنکے چاہنے والے معتوب تھے اور اُن پر لعنت کا سلسلہ مسجد و منبر سے جاری تھا۔ مدینہ میں واقعہ حرّہ، مسجد نبویؐ و منبر رسولؐ کی بے حرمتی، خانہ کعبہ کا جلانا، سب تاریخ میں رقم ہے اور آج تک محفوظ و موجود ہے۔ اور؛

بالآخر یزید اور یزیدیت کے شیطانی نمائندوں کے سامنے حسینؑ اور حسینیتؑ، اللہ کی جماعت سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئی۔ اور ثابت کر دیا کہ یہ حکومت خلافت الٰہیّہ کی مشرک حکومت ہے۔ حسینیتؑ نے اسلامی رشتوں ناطوں کا تقدس دوبارہ زندہ کیا ۔ آج اس دنیا میں بلاتفریق قوم و ملک، مذہب و ملت خواتین کا احترام، ماں باپ، بیٹا بیٹی، بہن بھائی، چچا چچی، پھوپھا پھوپھی، بہنوئی اور بھابھی کے رشتوں کا تقدس، احترام اور حرمت، حسینؑ اور حسینیتؑ کے صدقہ میں قائم ہے۔ قدرت نے فطری تقاضوں کے تحت عورت کو کمزور تخلیق کیا ہے۔ بدمعاش اور شرپسند عورتوں کے اور عام اچھی عورتوں کے معاملات میں بھی ہوشیار رہ کر اپنی ذمہ دارانہ پوزیشن کبھی نہ چھوڑنے

کا حکم دیا گیا ہے ۔لیکن اس خانوادہؑ میں ایسی عظیم خواتین گزری ہیں جنھوں نے خواتین کے لئے عزت واحترام کے خدائی معیار مقرر کئے ۔امامؑ عالی مقام کی مادرِ گرامیؑ ،جن کی تعظیم وتکریم کے لئے خود سرور کائناتؐ بھی سروقد کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور کربلا میں آپؑ کی ہمشیرہ معظّمہؑ تھیں ،جو دو اماموںؑ پر حکمران تھیں ۔جن کے عظیم صبر ،خطبات ،مصمم اور مضبوط ارادوں کی بنا پر مقاصدِ شہادتِ حسینؑ ،حسینیتؑ اور عزاداری ہمیشہ کے لئے زندہ ،قائم ودائم ہیں ۔لامحدود سلام ودرود ہوں ان خواتینؑ پر۔

25) جنگ وصلح کے سفارتی اصول

دین کی تاریخ میں دور نبوتؐ کے غزوات وسریات ،پھر حضرت علیؑ کے دور میں مسلط کی ہوئی جنگیں اور حضرت امام حسنؑ کے دور میں جنگ وصلح ،ان تمام حالات و واقعات میں ہر طرح کے جنگ وصلح کے سفارتی اسلامی اصول وضع کئے گئے ۔دور نبوتؐ کے بعد حکومتی مذہب نے باقی اسلامی اصولوں کے ساتھ ساتھ ان اصولوں کو بھی توڑا اور فاسق بنتے رہے ۔ان میں سے چند ایک بڑی بڑی مثالیں درج ذیل ہیں ۔

1) حکومتی مذہب کی ہم مذہب حکومتیں جب ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں تو دونوں فریق نے ایک ہی مذہب کے ممبر و پیرو ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو کافر و ملحد قرار دیا ۔جناب خلیفہ حضرت یزید اور ان کی فوج اور رعایا نے باغی خلیفہ عبداللہ ابن زبیر کو ملحد ،کافر اور بدعتی قرار دیا ۔اور جناب خلیفہ عبداللہ ابن زبیر اور ان کی فوج کے نزدیک یزید اور اس کی فوج ورعایا کافر وملحد اور بدعتی تھے ۔

2) مخالفت کی بنا پر خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ ،خلیفہ چہارم حضرت علیؑ اور انکے پورے خاندان پر (معاذ اللہ) لعنت کرنا دینی فریضہ خیال کرتے رہے اور تقریباً ایک صدی تک آنے والے خلیفہ معاویہ کے پیروکار تمام مسلمانوں نے منبروں سے علیؑ اور اولاد

علیؑ پر (معاذ اللہ) لعنت جاری رکھی۔

3) خلیفہ معاویہ نے علیؑ کے لشکر پر پانی بند کیا۔ جب لڑ کر دریا چھین لیا تو معاویہ کی فوج پر علیؑ نے پانی بند نہ کیا۔ معاویہ کے بیٹے یزید نے تین شب وروز امام حسینؑ اور اصحاب حسینؑ پر پانی بند رکھا۔

4) ان مذہبی حکومتوں نے کبھی بھی فتح یاب ہونے کے بعد مخالف فوج کو، خواہ وہ مسلم تھی یا غیر مسلم، لوٹے بغیر نہ چھوڑا۔ اور اس لوٹ کو ہر حال میں مالِ غنیمت قرار دیا۔

5) مخالف گروہ کی خواتین کے ساتھ انتہائی توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ عزت واحترام واکرام کی بجائے دربار میں بلا کر جھٹلایا، جھوٹا کہا۔ سروں سے چادریں چھینیں، رسیوں سے ہاتھ جکڑے، ننگے سر بازاروں اور درباروں میں تشہیر کی، بچوں اور بیماروں پر رحم نہ کیا۔ نہتے لوگوں پر تلوار اُٹھائی۔

6) کھیتیاں اجاڑیں، املاک تباہ کیں، مخالفت کی بنا پر ذرائع معاش چھین لئے، گھر مسمار کر دئے۔

7) حکومتی مذہب کے اصول ''جنگ میں سب جائز ہے'' کے تحت ہر اصول توڑا۔ تحریراً شرائط قبول کر کے وعدہ خلافی کی گئی۔ حضرت امام حسنؑ سے جن شرائط پر صلح ہوئی، حضرت معاویہ کا ان شرائط پر عمل نہ کرنا بھی تاریخ میں موجود ہے۔

8) مخالف مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی کرنا، انہیں پامال اور مسخ کرنا بھی ان کے ہاں پایا جاتا رہا ہے۔

لیکن کربلا میں امامؑ عالی مقام نے جنگ، صلح اور سفارت کے اسلامی اصولوں کو پھر سے زندہ کیا۔ واقعہ کربلا اور عزاداری حسینؑ نے قائم رہنے والی مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ آج ہم تمام اقوام عالم کو یہی اصول اپناتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ واقعہ

کربلا نے ان تمام نام نہاد اسلامی مذہبی حکومتوں کی نشاندہی کر دی اسلامی لبادہ میں چھپی ہوئی حکومتوں اور چہروں سے نقاب نوچ لی اور ہمیشہ کے لئے ثابت کر دیا کہ یہ حکومتیں اور یہ بھیانک بے رحم اور سفاک، ننگِ انسانیت لوگ مسلم ہونا تو دور کی بات ہے ان میں تو انسانیت کی رمق تک نہیں ہے۔

26) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

(حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبینؐ تک تمام انبیاؑ ورسلؑ کی محنتوں کا نچوڑ)

بلا امتیاز رنگ ونسل، مذہب وملت، اقوامِ عالم میں راسخ پسندیدہ اقوال وافعال واعمال ''معروفات''، اور عالمی ناپسندیدہ اقوال واعمال وافعال ''منکرات'' کہلاتے ہیں۔ معروفات کا حکم دینا، منکرات سے روکنا ہی درحقیقت اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔ حکمران طبقہ، ان کے کارندے اور صاحب حیثیت لوگ اپنے ذاتی مقاصد اور عوام پر تسلط کی خاطر ہمہ قسمی ظلم وجبر واستبداد سے کام لینے میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ نہ تو معروفات پر عمل کرتے اور نہ ہی منکرات سے اجتناب کرتے۔ یہ حالات دورِ یزید میں انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ تمام رعایا اللہ سے ڈرنے کی بجائے حکمرانوں سے خوفزدہ تھی۔ لالچ اور خوف کی وجہ سے زبان تک نہ کھولتے تھے۔ امامؑ عالی مقام نے معروفات پر عمل درآمد کرنے اور منکرات کی نشاندہی اور اس کو روکنے کے لئے انتہائی قدم اُٹھایا۔ امامؑ عالی مقام کے قیام کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی جس کو امامؑ نے اپنے خطبات میں متعدد بار دہرایا۔ ایک خطبہ میں بعد از حمد وثنا فرمایا؛

''اے لوگو! پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے کہ جو ظالم، حلالِ خدا کو حرام اور حرامِ خدا کو حلال سمجھنے والا ہو (اور اس بادشاہ کی بلا چوں و چرا اطاعت کرے) تو اللہ پر فرض ہو گا کہ اس رعایا کو بھی اس بادشاہ کے ساتھ

واصلِ جہنم کرے۔ دیکھو! ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لی ہے اور اللہ کی اطاعت سے انحراف کیا ہے۔ انہوں نے فساد پھیلایا اور حدودِ الٰہی کو معطل کر دیا ہے۔ خراج سلطنت کو اپنا ذاتی سرمایہ بنا لیا ہے۔ حلالِ خدا کو حرام اور حرامِ خدا کو حلال کر دیا ہے۔ دیکھو! ہم اپنی قرابتِ رسولِؐ خدا کے سبب سے ان کے خلاف قیام کرنے کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔''

''تم خدائی عہد و پیمان شکستہ ہوتے دیکھتے ہو مگر تمہیں اس سے کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ حالانکہ تمہیں اپنے باپ دادا کے معاہدات کے توڑے جانے سے بڑی بے چینی ہوتی ہے۔ پیغمبرؐ خدا سے جو عہد و پیمان ہوئے تھے وہ توڑے جاتے ہیں اور شہروں کے اندھے، گونگے اور اپاہج کسمپرسی میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ تم ان پر رحم نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے شایان شان ان کی مدد کرتے ہو اور ظالموں سے چکنی چپڑی باتیں کر کے خود کو ان کے خطرات سے بچاتے ہو۔ یہ تمام باتیں وہ تھیں جن کے متعلق تمہیں ہدایات فرمائی گئی تھیں۔ اور جن سے تمہیں باز رکھا گیا تھا۔ مگر تم ان تمام احکامات سے غفلت برتے ہوئے ہو۔ سب سے بڑی آفت تم میں یہ ہے کہ علمائے دین کے حقوق تمہارے یہاں ضبط ہو گئے کاش تم نے کوشش کی ہوتی کہ امور کا نظم و نسق اور احکام کا اجراء خدا پرست علما اور اس کی شریعت کے محافظوں کے ہاتھوں میں ہوتا۔ تمہارے ہاتھ سے یہ بات جاتی رہی اور وہ صرف اسلئے کہ تم حق سے الگ تھلگ ہو کر رہ گئے اور واضح دلائل کے باوجود سنت نبویؐ سے اختلاف کرنے لگے۔ اور اگر تم سختی برداشت کرتے اور راہ خدا میں زحمت اُٹھانے پر تیار ہو جاتے تو احکام الٰہی کا اجراء تم میں قائم رہتا اور تم ہی اس کا مرکز ہوتے۔ لیکن تم نے ظالموں کو خود اپنے اوپر مسلط کر لیا اور احکام الٰہی کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا جو شبہات کے ساتھ عمل کرتے اور

خواہشات نفسانی کی راہوں میں قدم اُٹھاتے ہیں۔انہیں اس کا موقعہ اس لئے ملا کہ تم موت سے بھاگتے ہو اور اس زندگی کو چاہتے ہو کہ جو بہر حال تم سے رخصت ہونے والی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے کمزوروں کو ان جابروں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ پس کوئی ان میں جلا وطنی کی حالت میں مغلوب و مقہور ہے کوئی ایسا ہے کہ جس کے ذرائع معیشت پر دوسروں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ وہ جابر لوگ ملک بھر میں اپنی ذاتی پسند سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور اپنی خواہش نفس سے رسوا کن امور کا ارتکاب کرتے ہیں ۔شریروں کی سی باتیں کرتے رہتے ہیں اور خداوند ذوالجلال کے مقابلے میں جرأت و جسارت سے کام لیتے ہیں ۔زمین ان کی وجہ سے شرارتوں کی آماجگاہ بن گئی ہے، اوران کی دست درازیاں اس میں جاری ہیں ۔لوگ ان کے غلام بنے ہوئے ہیں اور ظالم ہاتھوں کو خود سے دور نہیں کر پا رہے ہیں ۔ایک طرف کوئی حاکم ہے جو سرکشی دکھا رہا ہے تو دوسری طرف کوئی طاقتور ہے جو کمزوروں پر ظلم ڈھا رہا ہے۔

دنیا اس کے سامنے اطاعت میں سرنگوں ہے۔اور اسے ایک خالق کا کہ جو پھر سے جزا و سزا کیلئے زندہ کرے گا، تصور بھی نہیں ہوتا۔تعجب ہے اور حقیقت میں تعجب ہی کیا ہے ان اہل زمانہ سے ...... یہ کیسے کیسے ظلم ڈھاتے ہیں اور بندگانِ خدا پر کیسی کیسی سختیاں کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے حاکم ہیں مگر اُن پر قطعاً رحم نہیں کرتے ۔اس جھگڑے میں ہمارے اور اُن کے مابین بس اللہ ہی فیصلہ فرمانے والا ہے۔

یا اللہ! تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا وہ اقتدار و سلطنت کی ہوس، لالچ یا مالِ دُنیا کی طلب کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ تیرے دین کے نشان نمایاں ہوں اور تیرے شہروں کی اصلاح ہو اور تیرے مظلوم بندوں کو امن و اطمینان نصیب ہو اور تیرے واجب و سنت احکام پر عمل ہو۔

یاد رکھو! اگر تم لوگ ہمارا ساتھ نہیں دو گے اور ہمارے حقوق ادا نہیں کرو گے تو ظالموں کو تم پر قابو حاصل ہو جائیگا اور وہ تمہارے پاک پیغمبرؐ کے چراغ کو خاموش کرنے کی جسارت کرتے رہیں گے......اور یوں تو ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔اسی کی جانب لو لگاتے ہیں اور اسی کی جانب پلٹ کر جانا ہے۔''

امامؑ عالی مقام نے اپنے اقدامات اور پے در پے قربانیوں سے معروفات کو پھر سے زندۂ جاوید کیا۔اچھائی یعنی خوبیوں کو اچھائی ثابت کیا منکرات کو برائی ثابت کرنے اور اس کو روکنے کے لئے قلیل تعداد، ناتوانی اور کسمپرسی کی حالت میں بھی انتہائی اقدامات کئے۔اس درسگاہ سے سبق لے کر آج بھی انسانیت عمل کرنے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے۔

27) زندگی اور موت کی حقیقت، لقا اللہ (اسلام کا بنیادی تصور)

زندگی اعمال کی بجا آوری کیلئے دی گئی ہے۔موت ایک اٹل حقیقت ہے۔اس کا ذائقہ چکھنے کے بعد ہمیں اللہ سے ملاقات کرنا لازم ہے جہاں اپنے ہر عمل کا جواب دہ ہونا ہے۔اس تصور کے لباس کو اپنے بزرگوں کے تصورات سے ہم آہنگ کر کے کھینچ تان کر پہن لیا گیا۔لیکن اس کی روح سے روگردانی کی۔اس کی فروعات کو اپنی ذاتی و ملکی مصلحتوں کے تحت ڈھال کر اختیار کر لیا اور اصولوں کو یکسر چھوڑ دیا۔تمام انبیاؑ کی تعلیمات ،قرآنی فرمودات اور خصوصاً نہج البلاغہ میں یہ تمام حقائق موجود ہیں۔امامؑ عالی مقام نے ان تمام حقائق پر عملی طور پر روشنی ڈالی۔زندگی کی حقیقت اور نصرتِ امامؑ میں حضرت علی اکبرؑ نے فرمایا کہ ''کیا ہم حق پر نہیں؟ اگر ہم حق پر ہیں اور یقیناً ہم حق پر ہیں تو ہمیں کوئی پرواہ نہیں کہ اگر ہم موت پر جا پڑیں یا موت ہم پر آپڑے۔''

جناب سید مصطفیٰ محسن الموسوی الحائری نے اپنی کتاب '' لمعة من بلاغة

الحسینؑ'' میں امام حسینؑ کے خطبات اکھٹے کر کے لکھے ہیں، قارئین کیلئے ان میں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

1۔ ''ہم تمہیں اللہ کا لحاظ رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور تمہیں اسکی جانب سے انقلابات سے ڈرانا چاہتے ہیں۔تمہارے لئے اس کے جھنڈوں کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔وہ دن کہ جس کا اندیشہ ہے وہ گویا آہی گیا ہے۔اپنی ہولناک پیش آمد اور ناپسند قیام اور ناخوشگوار ذائقہ کے ساتھ تمہارے نفوس کے ساتھ لپٹ ہی گیا ہے۔تمہارے اور عمل کے درمیان سدِ راہ ہو گیا ہے۔لہٰذا جسمانی صحت اور زندگی کی وسعت سے فائدہ اُٹھانے اور اعمال کی بجا آوری میں جلدی کرو۔قبل اس کے کہ اس دن کی مصیبتیں سر پر آن پڑیں جو تمہیں زمین کی پشت سے زمین کے شکم میں لے جائیں۔ اور اس کی بلندی سے ہٹا کر اس کی پستی میں لے جائیں۔اس کی دل چسپیوں سے ہٹا کر اس کی پریشانیوں میں اور اس کی روشنی سے علیحدہ کر کے اس کی تاریکی کی طرف، اسکی وسعت سے محروم کر کے اس کی تنگی کی طرف پہنچا دیں۔ جہاں کسی دوست کی ملاقات نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی بیمار کی عیادت، نہ ہی کسی فریادی کی فریادرسی۔اللہ اس دن کے ہولناک حالات کے مقابلے کے لئے ہماری اور تمہاری امداد فرمائے اور ہمیں اور تمہیں اس دن کے عذاب سے چھٹکارا دے اور ہمیں اور تم لوگوں کو اپنے عظیم ثواب کا حقدار قرار دے۔''

2۔'' بندگانِ خدا! جب کہ یہ تمہاری منزل مقصود اور سفر کی انتہا ہے تو اس سے بڑھ کر کام کرنیوالے کے لئے اور فکر کیا ہو سکتی ہے جو اس کی تمام فکروں پر غالب آجائے اور اسے دُنیا سے غافل بنا دے اور نجات کی طلب میں اس کے اہتمام کو زیادہ کر دے۔ چہ جائیکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے بعد وہ اسی کوشش کے نتائج میں گرفتار ہوگا۔اس

سے اس کا حساب ہوگا اور اس وقت کوئی مددگار نہ ہوگا کہ جو اس کی حفاظت کرے اور نہ ہی کوئی پشت پناہ ہوگا کہ جو اس سے مصیبت کو رفع کرے۔ ارشادِ قدرت ہے کہ؛

''اور اس دن کسی کو، جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان کے دور میں کوئی نیک کام انجام نہ دیئے ہوں، اب ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے گا ان سے کہہ دو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' (سورۃ انعام 6/158)

3۔ ''خبردار! ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو بندوں سے انکے گناہوں میں ڈریں اور اللہ کی سزا سے بے خوف رہیں۔ اسلئے کہ اللہ کو فریب دیکر بہشت حاصل نہیں کی جاسکتی اور جو کچھ اللہ کے ہاں کی نعمت ہے وہ بغیر اسکی اطاعت کے حاصل نہیں کی جاسکتی۔''

4۔ عراق کیلئے روانگی کے وقت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

''موت فرزندِ آدمؑ سے یوں گلوگیر ہے جیسے جوان عورت کی گردن میں ہار۔ نہ پوچھو کہ ہمیں اپنے بزرگوں سے ملحق ہونے کا کتنا اشتیاق ہے۔ اتنا ہی کہ جتنا یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ ہمارے لئے موت کی جگہ متعین ہے۔ ہم وہاں جا کر رہیں گے ہم گویا اپنے جوڑ و بند کو دیکھ رہے ہیں کہ نوادیس و کربلا کے درمیان جنگل کے بھیڑئے (لشکر یزید) ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور ان سے اپنے بھوکے شکموں اور خالی توشہ دانوں کو بھر رہے ہیں۔ قلم قدرت نے موت کا جو دن لکھ دیا ہے اس سے چھٹکارا نہیں۔ ہم اہل بیتؑ کی مرضی وہی ہے جو اللہ کا فیصلہ اور حکم ہے۔ ہم اسکی آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں اور وہ ہمیں صابروں کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔ رسولؐ پاک کے قرابت دار آپؐ جناب سے علیحدہ نہیں کیئے جائیں گے بلکہ وہ سب حضیرہ قدس میں آپؐ کیلئے جمع کیئے جائیں گے۔ جنہیں دیکھنے سے انؐ کی چشم مقدس کو ٹھنڈک ملے گی۔ اور پیغمبرؐ عالی مقام ان سے کیئے گئے وعدے پورے فرمائیں گے۔

دیکھو! جو ہمارے لئے جان دینے پر تیار اور لقائے الٰہی کے لئے نفس کو آمادہ کر چکا ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ ہم انشاء اللہ کل صبح روانہ ہو جائیں گے۔''

5۔ ایک اور مقام پر آپؑ نے فرمایا؛

''ہم پر جو مصیبت آن پڑی ہے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ دنیا برگشتہ اور ناموافق ہو گئی ہے اس کی بھلائیوں نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے اب اس سے اتنا ہی بچا ہے کہ جیسے خالی برتن میں چند قطرے۔ زندگی ایسی ذلیل ہو چکی ہے جیسے ناقابل ہضم چارا..... تم دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے پرہیز نہیں کیا جاتا۔ مومن کو چاہئے کہ لقائے الٰہی کی سچی رغبت کر لے۔ ہم تو اب موت کو سعادت سمجھتے ہیں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا جان کا جنجال سمجھتے ہیں۔''

امام علیہ السلام نے اپنے انصاران کو موت سے بے خوف کر دیا، ایسے بے خوف انسان پر کوئی تکلیف اثر انداز نہیں ہوتی۔ قلیل تعداد، بے سروسامانی کے باوجود لاکھوں کی مسلح فوج یزید سے جس بے جگری سے ٹکرائی دُنیا میں اسکی مثال نہ ملی ہے نہ ملے گی۔

6۔ منزل رہمیہ پر ابوحرم نے سوال کیا کہ فرزندِ رسولؐ! آپ کو کس چیز نے نانا کی قبر مبارک سے جدا کیا؟ فرمایا؛

''اے ابوحرم! بنواُمیہ نے ہماری منزلت گھٹائی مگر ہم نے صبر سے کام لیا۔ انہوں نے ہمارا مال لیا مگر پھر بھی ہم نے صبر کیا۔ مگر اب وہ ہماری جان کے درپے ہیں۔ ہم اپنی جان بچانے نکلے ہیں مگر اللہ کی قسم وہ ہمیں جام شہادت پلا کر ہی رہیں گے۔''

شبِ عاشور جب امامؑ عالی مقام نے اپنے اصحابؓ کی ہر طرح سے آزمائش کر لی۔ بیعت اُٹھا کر، اہل بیتؑ کو ساتھ لے کر کربلا سے نکل جانے کا کہہ کر اور پھر چراغ بجھا کر۔ لیکن تمام انصاران نے نصرتِ امامؑ میں اپنا خالص ہونا ثابت کر دیا۔ تب آپؑ

نے اپنے جان نثاروں کی عقل وشعور کی برداشت تک باطن ظاہر فرمادیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سے حجابات ہٹا کر اللہ رب الارض کی ملاقات کی منزلوں تک پہنچا دیا۔ انہیں ان مقاماتِ عالیہ کا مشاہدہ کروایا جوان کے لئے مختص ومعین تھے۔ مولاؑ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا کہ جولقائے الٰہی کے لئے اپنے نفس کوآمادہ کر چکا ہو وہ ہمارے ساتھ چلا آئے۔

28) خوشنودیِ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام

قارئین مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ آج کل ہمارے تمام تر اعمال، مجالس ومحافل کا انتہائی مقصد جنت کا حصول نظر آتا ہے۔ ہر دُعا کا اختتام یہیں پر ہوتا ہے۔ جب کہ انصارانِ امامؑ عالی مقام نے راہنمائی فرمائی ہے کہ جنت سے بڑھ کر بھی کوئی اور شے ہے۔ انہیں آزمائش کے بعد جنت حاصل ہو چکی تھی لیکن انہوں نے نصرتِ امامؑ میں جان قربان کر کے خوشنودیٔ حجتِ خداؑ حاصل کی اور انسانیت کو معراج پر پہنچادیا۔

امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جنت میں اکثریت بیوقوفوں کی ہوگی۔ عرض کی گئی مولاؑ! وہ لوگ جنت میں پہنچ گئے پھر بھی بیوقوف، کیسے؟ فرمایا ''اسلئے بیوقوف ہونگے کہ وہ جس چیز کے بدلے میں جنت لیں گے وہ چیز جنت سے زیادہ قیمتی ہوگی۔'' عرض کیا مولا! وہ کس چیز کے بدلے میں جنت لیں گے؟ فرمایا۔'' وہ ہماری محبت (مودۃ) کے بدلے میں جنت لے لیں گے۔'' عرض کیا گیا مولاؑ! تو پھر آپکی محبت (مودۃ) کے بدلے میں انسان اللہ تعالیٰ سے کیا مانگے؟ فرمایا،'' وہی مانگے جو سلمانؓ وابوذرؓ مانگیں گے۔'' عرض کیا گیا آقاؑ! سلمانؓ وابوذرؓ آپکی محبت (مودۃ) کے بدلے میں کیا مانگیں گے؟ فرمایا'' وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرینگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے تیری ساری کائنات کو بغور دیکھا ہے، اس کائنات میں

ہمیں کوئی ایک چیز بھی ایسی نظر نہ آئی جو اِن ذواتؑ مقدسہ کی محبت (مودۃ) کے برابر ہو اگر تو ہمیں کچھ عطا فرمانا چاہتا ہے تو ایسا کر کہ یہ پاک ہستیاںؑ ہی ہمیں دے دے۔''

اختؔر درِ رسولؐ سے ادنیٰ سی شے نہ مانگ

کم ظرف تُو نے خواہشِ جنّت فضول کی

29) مرکزیت اور حقِ امام صلوٰۃ اللہ علیہ

امامؑ عالی مقام نے اکثر خطبات میں لوگوں کو اللہ کا پاس اور لحاظ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اللہ و رسولؐ کی طرف سے آئمہ اہل بیتؑ کو تفویض شدہ حقوق کو سبک جاننے اور ان حقوق کو پامال کرنے کی شکایت کی ہے۔ آئمہ اہل بیتؑ کیلئے المودۃ، قرآن کے ساتھ ساتھ ان حضراتؑ سے تمسک رکھنا، اُمتِ مُسلمہ کی ہمہ قسمی ہدایت کیلئے تمام تر معروفات کا اجراء اور منکرات سے روکنا، مرجعیت، تمام تر عبادات اور اعمال پر امامؑ وقت کا تائیدی حکم، امامؑ کی بلا چوں و چرا مطلق اطاعت و اتباع، تمام مومنین پر امارت و خلافت و ولایتؑ وحکومت جیسے تمام تر حقوق واجب ہیں۔ گو کہ رسولؐ اللہ کے بعد ہمہ قسمی مرکزیت امامتؑ ہی کو حاصل ہے۔ خلفا اور بنو امیہ نے آپؑ حضرات کی فضیلت گھٹائی، مال و اسباب چھین لئے اور پھر اللہ کے نور کو بجھانے کے درپے ہو گئے۔ اسیرانِ کربلا کی دوسری اجتماعی پیشی کے دوران یزید کے بزرگوں کی سوچ، عمل درآمد اور اصل چہرہ یزید کے الفاظ کی صورت میں سامنے آیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا۔ امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر کہا؛

''اَے علیؑ بن حسینؑ! تمہارے باپ نے چاہا تھا کہ وہ امیر المومنین کہلایا کریں اس لئے اللہ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور تمہاری گردنیں ٹیڑھی کر دیں۔ تمہارا مال و متاع چھین لیا، تمہارے مرد قتل ہو گئے، تمہاری عورتیں قیدی بن کر رہ گئیں

اور تمہاری تمام حدیثیں اور من گھڑت فضیلتیں باطل ہو کر رہ گئیں۔''

انصارانِ حسینؑ نے امامِؑ وقت کی مرکزیت اور حقوق کو پہچانا۔ان فرائض کی ادائیگی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں رہے۔کربلا میں شہادتوں کی ترتیب بھی اس بات کی گواہ ہے۔انصارانِؑ حسینؑ حقیقی معنی میں انصارانِ حسینؑ تھے۔جب تک ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہے گا وہ حسینؑ اور خانوادۂ حسینؑ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیں گے۔جب انصارؑ حقیقی معنی میں انصاؑر بن کر شہید ہو چکے تو اولادِ ابوطالبؑ نے تحفظ کیا۔آخر میں امامؑ زادوں نے امامت کا تحفظ کیا۔

(شہادتوں کی ترتیب دیکھنے کے لئے کتاب ''مرکزِ انسانیت'' ملاحظہ فرمائیں)

30) حصولِ جنت میں آسانیاں

شہدائےؑ کربلا نے اپنے پروردگار کے حضور وہ استحقاق حاصل کرلیا کہ انسانوں کے لئے جنت کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ورنہ ابلیس اولادِ آدمؑ کی کثرت کو اغوا کر کے جہنم میں پہنچا دیتا۔حدیث میں وارد ہے کہ ''جو شخص ہماری مظلومیت کی وجہ سے مہموم و مغموم ہو تو اس کا سانس لینا تسبیح اور اس کا درد و اندوہ عبادت ہے۔''

(شیخ طوسی اور شیخ مفید نے آبان بن تغلب سے روایت کی)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ''جو شخص امام حسینؑ کا تذکرہ کر کے پچاس افراد کو رُلائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔اور جو شخص تیس افراد کو رلائے اس پر جنت واجب ہے۔جو بیس کو، جو دس کو، جو پانچ کو حتیٰ کہ جو ایک ہی کو رلائے تو جنت اس کے لئے واجب ہو جاتی ہے۔جو خود ہی پڑھ کر خود روئے اس پر جنت واجب۔جس کو رونا نہ آئے اور وہ رونے کی شکل ہی بنالے تو اس پر جنت واجب ہے۔''

(عظمتِ امام حسینؑ از حجۃ الاسلام مولانا محمد ایوب بشوی سلطان الفاضل ایم اے)

واقعہ کربلا عظیم آفاقی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے دامن میں جملہ مذاہب کو پناہ دینے کی صلاحیت موجود ہے۔اس واقعہ ہائلہ نے ثابت کیا ہے کہ ناصرِ امامؑ فقط ناصر ہے۔خواہ وہ ہندو ہو، سکھ ہو، عیسائی ، یہودی یا مسلمان ہو۔اور دشمنِ اسلام دشمن محض ہے خواہ وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہو۔آپ ہر زمانہ کے اولیائے عصر کے واقعات دیکھیں حجتؑ خدا کے انصار کے مذہب کے بارے میں کسی نے باز پرس نہیں کی ۔جنگِ بدر میں ایک یہودی جو قبل بعثت رسوؐل اللہ کا بھائی بنا ہوا تھا، رسوؐل اللہ پر حملہ کی خبر سن کر جنگ میں کود پڑا اور شہادت پائی۔اس کی لاش پر رسوؐل اللہ نے مسکرا کر فرمایا تھا ''یہ ایسا شہید ہے جس نے نہ کوئی نماز پڑھی نہ کلمہ پڑھا۔مگر اسے جنت جانے سے کوئی روک نہیں سکا (انتصارِ ولایت)۔معلوم ہوا کہ نصرتِ امامؑ کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔واقعہ کربلا میں بھی جو غیر مسلم شہدا شامل ہیں ان میں نمایاں نام جناب وہبؓ بن عبداللہ کا ہے جو عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔میدان کربلا میں اپنی والدہ اور زوجہ کے ساتھ شہید ہوئے ان کی زوجہ شہدائےؑ کربلا میں پہلی خاتون شہید ہیں۔
(تفصیل کے لئے ''مرکزِ انسانیت'' ملاحظہ فرمائیں)

دوسرے نمبر پر ایک عیسائی طبیب کا ذکر بھی کتب میں موجود ہے جو آخری لمحات میں روزِ عاشور امامؑ پر قربان ہوئے ان کا نام قیس بن عبدالمسیح بتایا گیا ہے۔(بحوالہ انتصار ولایت عصر باب 11) واقعہ کربلا کے بعد کے حالات میں بھی بہت سے غیر مسلم شہدا کا تذکرہ ملتا ہے جو بازارِ شام، دربارِ شام اور اثنائے راہ میں محبت اہل بیتؑ و امام مظلومؑ کے جرم میں شہید کئے گئے۔جن کے نام لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔تفصیل کے لئے کتاب ''مرکزِ انسانیت'' اور مندرجہ کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

صحابی رسوؐل سہل بن سعد کا عیسائی دوست (بازار شام)، جاثلیق ایک عیسائی

پادری جس نے ایک گرجا میں قافلہ کو پناہ دی، اور پھر حقیقت حال جان کر امام مظلومؑ پر شہید ہوا۔ راس الجالوت یہودی عالم اور ایک عیسائی عالمِ دین کا دربارِ یزید ملعون میں شہید ہونا وغیرہ وغیرہ (الدمعۃ الساکبہ، ریاض الاحزان، معالی السبطین، انتصار ولایت عصر، مجالس المنتظرین)۔

داؤد رقی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے پانی منگوایا۔ جب پانی پی لیا تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا، اَے داؤد! خدا لعنت کرے قاتلانِ حسینؑ پر۔ پھر فرمایا جو شخص پانی پیئے اور امام حسینؑ کو یاد کر کے آپؑ کے قاتلوں پر لعنت کرے تو یقیناً خداوند عالم ایک لاکھ نیکیاں اس کے لئے لکھ دیتا ہے۔ اور ایک لاکھ گناہ اس کے بخش دیتا ہے اور ایک لاکھ درجے اس کے بلند کرتا ہے اور اس طرح ہے کہ جیسے اس نے ایک لاکھ غلام آزاد کئے ہوں اور قیامت کے دن وہ ٹھنڈے اور خوش وخرم دل کے ساتھ ہوگا۔ (کتاب عظمت امام حسینؑ)

ہر مسلمان پر اللہ کی طرف سے واجب کردہ حقوقِ نبویہ میں سے عظیم ترین حق، حقِ امام حسینؑ ہے۔ امام محمدؑ باقر نے فرمایا، "جو شخص فرزندِ رسولؐ کی زیارت کو جائے، اللہ ایک ہزار حج مقبولہ، ایک ہزار عمرہ مبرورہ، ایک ہزار شہید، ایک ہزار روزہ دار، ایک ہزار صدقہ اور ایک ہزار غلام آزاد کرنے کا اجر عطا فرمائے گا۔ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ ایک مَلک کی یہ ڈیوٹی ہوگی کہ وہ اس کی حفاظت کرے۔ اگر اس سال فوت ہو جائے تو ملائکہ کی اچھی خاصی تعداد اس کی تکفین سے لے کر تدفین تک ساتھ موجود رہے گی۔ فشارِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ اس کی قبر میں جنت سے ایک دروازہ کھولا جائے گا۔ اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ قیامت کے دن اس کے چہرے کا نور دیکھ کر اہل محشر پوچھیں گے کہ یہ شخص کون ہے جس کی روشنی مشرق سے مغرب تک

جارہی ہے؟اس وقت اس کے آگے آگے ایک فرشتہ ہوگا جو یہ ندا کرے گا کہ یہ زائرحسینؑ ہے۔تو اہل محشر میں سے ہر ایک کہے گا کہ کاش میں بھی زیارتِ حسینؑ کو جاتا۔'' (کتاب عظمت امام حسینؑ)

حدیث میں وارد ہے کہ ''جو شخص معرفت کے ساتھ،حقِ امامؑ پہچان کر قبرحسینؑ کی زیارت کرے گا اس کو سوا ایسے حجوں کا ثواب ملے گا جو رسوؐل اللہ کے ساتھ ادا کئے ہوں۔امام جعفر صادقؑ نے فرمایا،''اے ابن سدیر یاد رکھ جمعہ کے دن پانچ مرتبہ اور ہر دن میں ایک مرتبہ زیارتِ حسینؑ کیا کرو......پھر آپؑ نے فرمایا کہ میں تمہیں بڑا آسان طریقہ بتاتا ہوں کہ اپنے مکان کی چھت پر چلا جایا کر،پہلے دائیں اور پھر بائیں اور پھر آسمان کی طرف نگاہ ڈال کر قبرحسینؑ کی طرف منہ کر کے صرف اتنا کہہ دیا کر ''**السلام علیک یا ابا عبدؑاللّٰہ ،السلام علیکم ورحمة اللّٰہ و برکاتہ** ۔'' ہرزیارت کے عوض اللہ تجھے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عنایت فرمائے گا۔(کتاب عظمت امام حسینؑ)

31) نوعِ انسان کے لئے کرداروں کی مثالیں

انصارانِ حسینؑ (خواتین بچے بوڑھے اور جوان) نے بنی نوعِ انسان کی ہرنوع کیلئے اعلیٰ کردار کی قدریں قائم کیں ۔اجرِ رسالتؐ ادا کرتے ہوئے یہ سب لوگ نصرتِ امامؑ میں گویا یک جان کئی قالب تھے ۔یہ جو کچھ بھی لکھا جارہا ہے امامؑ عالی مقام اور اُن کے رفقائے کارہی سے متعلق ہے ۔آیت جمعہ کے مصداق ذکراللہ کی طرف بڑھنے میں جوان تو جوان تھے،بوڑھے بھی اپنی کمریں کس کر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے اور جوش دلاتے نظر آئے ۔خواتین اپنے بچوں کو بہ رضا و رغبت سجا کر پیش کر رہی تھیں ۔اپنے

مردوں کوامامؑ کی نصرت اور جانثاری کے لئے حوصلہ مند ورضا مند کررہی تھیں۔انہوں نے حقیقی معنوں میں بغیر کراہت کے مطلق اطاعت کی۔تاکہ کل کوئی تاریخ یا شقی القلب شخص یہ نہ کہہ سکے کہ امامؑ نے خواتین اور بچوں کومجبور کردیا تھا۔

32) خلوص اورعبدیت

انصارانِ حسینؑ نے اپنے تمام تر اختیارات حجتؑ خدا،امامؑ وقت کوسونپ دیئے تھے۔(سورۃ زمر 39/53)طاغوت سے کفر کرکے خالصتاً امامِ زمانہؑ کی مطلق اطاعت کی،امامؑ کے ہرتازہ حکم کواللہ ورسولؐ کاحکم جانااوراسکی بجاآوری میں سردھڑ کی بازی لگادی اورخودکوحقیقی مومن و مسلم اورعبدمملوک ثابت کردیا۔اس طرح ہمارے لئے خلوص اورعبدیت کااعلیٰ معیارقائم کرکے حقیقی شیعیت کاحقیقی وعملی نمونہ پیش کردیا اوراقوام عالم کواس معیار سے متعارف کرادیا کہ آئندہ کوئی بھی مخالف گروہ شیعیت کے معیار اورعزادارئِ امام حسینؑ پر انگلی نہ اُٹھا سکے اور اگر یہ جسارت کر بیٹھے تو شرمندگی وناکامی اسکا مقدر بن جائے۔انہوں نے ''المودۃ'' کے تمام پہلوؤں کوتکمیل کی حدتک متعارف کروادیااورکسی ذی حیات کیلئے کسی بھی قسم کے عذرکی گنجائش تک نہ چھوڑی۔تاکہ آنے والی تمام نسلوں کیلئے نصرتِ امامؑ زمانہ کے متعلق کسی بھی سوال کا جواب ادھورانہ رہ جائے۔بلکہ ایک عظیم الشان،کثیرقسمی قربانی وجان نثاری کاہرہرپہلو سامنے رہےاور بوقت ضرورت اس پرعمل کرکے نصرت امامؑ زمانہ بجالائی جائے۔

33) آقااورعبدکامعیار

حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ ''میں یقین کے ساتھ محمدؐ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔'' اس سے ظاہرہوتا ہے کہ کائنات میں ایک وقت میں ایک ہی حجتؑ خدا ہوتا ہے۔انؑ کے دورکی ہرمخلوق اُنؑ کے حکم اوراطاعت کی پابندہوتی ہے۔حضرت

عباسؑ نے حضرت علیؑ ہی کی اولاد ہونے کے باوجود امام حسینؑ کو ہمیشہ مولاؑ و آقا اور خود کو ان کا عبد سمجھا۔حکمِ امامؑ پر ہر وقت نظریں جھکائے لبیک کہتے تھے۔اپنی طاقت،اپنے اختیارات کو مطلقاً امامؑ وقت کے سپرد کر دیا تھا۔اطاعت و وفا شعاری کی وہ تاریخ رقم کی جو ہمارے لئے قیامت تک مشعل راہ ہے۔یہ معیار ہمیں امام العصر والزماںؑ کے حضور بیعت،وفا شعاری اور مطلق اطاعت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

34) مصائب و آلام پر صبر

رسولؐ پاک کے بعد اہل بیتؑ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔یزید کے دور تک حالات انتہا کو پہنچ چکے تھے۔10 محرم 61 ہجری کو کربلا میں ظلم و بربریت کی انتہا ہو گئی جسکی مثال نہ پہلے تھی نہ آئندہ مل سکے گی۔شامِ غریباں میں کربلا کے اسیر طوق و زنجیروں میں جکڑے ہوئے بیمار امامؑ،رسیوں میں بندھی ہوئی بے مقنعہ و چادر مخدراتِؑ عصمت و طہارت کی دربدر بازاروں اور درباروں میں تشہیر،تقریباً ایک سال زندان میں قید و بند کی صعوبتیں،دربارِ یزید میں بار بار پیشیاں۔تاریخ میں کہیں نہیں ملے گا کہ انصاراؑنِ حسینؑ اور اسیرانِ کربلاؑ نے صبر کا دامن چھوڑا ہو اور بے اطمینانی کا اظہار کیا ہو۔قوانینِ فطرت حیران و ششدر رہ گئے۔ملائکہ و انبیاؑ انگشت بدنداں تھے۔ان کے اطمینان کی انتہا یہ تھی کہ خداؑن کا راہنماؑ ان پر فخر کرتا رہا۔اللہ نے خود ان کی مدح و ثنا جاری رکھی۔ان کا صبر و تحمل،ضبط و استقلال درجہ کمال پر تھا۔ان میں سے کسی ایک شخص نے حتّٰی کہ کمسن بچوں میں سے کسی نے بھی دشمنانِ اہل بیت سے زندگی کی بھیک نہ مانگی۔کسی سے شکوہ نہ کیا نہ ایسے الفاظ زبان سے ادا کئے جو ان کے معیار سے گرے ہوئے اور ان کے درجات کے خلاف ہوں۔وہ سب اللہ کے فیصلے پر راضی اور حکم الٰہی کو تسلیم کرتے ہوئے،دینِ اسلام کی نئے سرے سے بنیاد رکھنے

کے لئے ،اللہ کے رازوں کو راز رکھنے اور انسانیت کی فلاح کی خاطر یہ تمام مصائب و آلام ،کمال صبر وضبط واطمینان اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ ہماری پریشانی ،غم ومصیبت کربلا کے مصائب میں گم ہو جاتے ہیں جس سے صبر وشکر واطمینان کا درس ملتا ہے۔

35) مظلومیت

حجتِ خداؑ، امامؑ عالی مقام نے تمام کائنات پر تصرف رکھنے کے باوجود اپنی ذات مبارک اور خانوادۂ نبوّت پر اتنے مصائب اور مظلومیت کو اختیار کیا تا کہ انسانیت متوجہ ہو، قریب آئے اور اُنکے دلوں میں اس خاندان کیلئے ''المودۃ'' پیدا ہوتی چلی جائے۔ جو انسان آپؑ کی خداداد عظمتوں کے باوجود قریب نہیں آتا وہ آپؑ کی مظلومیت ہی کی بنا پر قریب آجائے تا کہ اس کی نجات کا سبب بن جائے۔

36) دینپر احسان، حُسینیتؑ پر احسان

دین اسلام کے تمام ارکان اصول، فروع، معاشرتی، معاشی پہلوؤں کی ازسرنو مضبوط اور قائم رہنے والی بنیاد فراہم کرنے اور انسانیت کے لئے فلاح ،بخشش اور نجات کا ذریعہ بننے پر یقیناً اس محسنؑ ومرکزِ انسانیت کا احسان ہے۔ دین اسلام یعنی حسینیتؑ کی بنیادیں قائم نہ رہ سکتیں ،وقت اور حادثاتِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ڈگمگا جاتیں ،اگر اسیرانِ کربلاؑ کی سربراہ خاتون حضرت زینب سلام اللہ علیہا صبر، خطبات اور عزاداری قائم کرکے اسے دوام نہ بخشتیں۔ دین اسلام، حسینؑ اور حسینیتؑ پر اس بی بیؑ کا ہمیشہ احسان رہے گا۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ؛

''معراج کی انتہا کا نام حسینؑ ہے اور حسینیتؑ کی معراج کا نام زینبؑ بنت علیؑ ہے۔''

37) <u>اصل الصلوٰۃ</u>

اسلام جن تین پایوں پر قائم ہے ان میں سے اوّل الصلوٰۃ ہے (اصولِ کافی)

حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے، ''الصلوٰۃ کا قیام پورے دین یا ملت کو قائم کرتا ہے۔'' ایک اور جگہ پر فرمایا کہ ''تمہارے تمام اعمال الصلوٰۃ کے ماتحت رہ کر الصلوٰۃ کی اتباع کریں۔'' اور بار بار فرمایا ہے کہ ''میںؑ مومن کی الصلوٰۃ ہوں۔'' حضرت محمدؐ مصطفیٰ نے فرمایا کہ ''ان الحسینؑ اصل الصلوٰۃ۔ اس میں شک نہیں یا بہ تحقیق حسینؑ اصل الصلوٰۃ ہیں۔'' (سیرۃ الابرار مطبوعہ مصر)

امامِ زمانہؑ ہی مجسم نور، مجسم دین، مجسم ایمان، مجسم ذکر اور مجسم صلوٰۃ ہوتا ہے۔ <u>یہ پنجگانہ فقہی نماز جو روزانہ ادا کی جاتی ہے، ذکر صوتی ہے جو کہ ہماری مصنوع ہے۔ ہم</u> پڑھیں گے تو ادا ہوگی نہ پڑھیں گے تو ادا نہ ہوگی۔ بہر حال وہ ہستی جن کی وجہ سے زمین پر حیات کا تصور قائم ہے، یا حیات کے لئے لازم شے ''الصلوٰۃ'' امام عالی مقام امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔

38) <u>انتہائی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ</u>

ہمارے امامِ زمانہؑ امام حسینؑ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہوئے زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں کہ ''اے انتہائی رکوع (ناتوانی) کی حالت میں لاجواب زکوٰۃ دینے والی ہستی! آپؑ پر ہمارا سلام ہو۔''

ابلیس اور اس کے نمائندوں کی وجہ سے دین میں ہمہ قسمی بگاڑ اور ملاوٹ ہو چکی تھی۔ امامؑ عالی مقام ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے مال و اسباب اور انصاران کی قلت کے باوجود دین کو پاک و پاکیزہ اور خالص کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے اپنی اور اپنے انصاران کا خون اور جان قربان کر کے زکوٰۃ دی۔

39) حجتِ خداؑ کے مخالفین کا انجام

حجتِ خداؑ کے مخالف گروہ میں صرف شامل ہو جانیوالا بھی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ کربلا میں یہ اصول عملی طور پر دکھا دیا گیا کہ جس گروہ میں صرف شمولیت اختیار کی جائیگی تو یہ شمولیت اس گروہ کی تقویت کا باعث ہوگی اور اسی کے مطابق سزا و جزا کا حقدار ٹھہرایا جائیگا باقی اعمال اسکے علاوہ ہونگے۔ چنانچہ کتاب المنتخب میں ایک شخص کا خواب بیان کیا گیا ہے کہ ''میدان حشر میں ایک شخص کو لایا گیا اور پوچھا گیا تو اس نے کہا مولاؑ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ تو عمر بن سعد کی فوج میں بڑھئی تھا۔ اس نے کہا حضورؐ نے سچ فرمایا ہے میں نے اسکے سوا کچھ نہیں کیا کہ آندھی میں حصین بن نمیر کے خیمہ کا بانس ٹوٹ گیا تھا میں نے اسکی مرمت کر دی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بہرحال تو میرے بیٹے کی مخالف فوج کی تقویت کا باعث ہوا ہے اور حکم دیا کہ اسے بھی جہنم واصل کر دو۔'' (تفصیل کیلئے ''مرکزِ انسانیت'' ملاحظہ فرمائیں)

مولانا محمد ایوب بشوئی اپنی کتاب عظمت امام حسینؑ میں لکھتے ہیں کہ ''عبداللہ بن ریاح قاضی راوی ہے کہ مجھے ایک نابینا شخص ملا۔ میں نے اندھے پن کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں واقعہ کربلا میں موجود تو تھا مگر میں نے جنگ میں حصہ نہ لیا تھا نہ ہی کوئی ہتھیار استعمال کیا تھا ایک رات خواب میں ایک شخص نے مجھے گریبان سے پکڑ کر رسولؐ اسلام کی خدمت میں پیش کیا وہاں میرے دوسرے ساتھی بھی پہلے سے موجود تھے۔ ہر ایک سے رسولِ خدا خود حالاتِ کربلا دریافت کر رہے تھے اور آپؐ کے پہلو میں ایک فرشتہ کھڑا تھا جسکے ہاتھ میں تلوار تھی جو ذرا سی حرکت سے آگ اگلتی تھی۔ میرے سب ساتھی قتل ہو کر جل گئے۔ میں حضورؐ کے قدموں میں گر پڑا اور عرض کی، حضورؐ میں نے تو کربلا میں کچھ بھی نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا ''تو نے لشکر یزید لعین کی

تعداد میں اضافہ نہیں کیا؟'' آپؑ کے قریب ایک طشت میں کچھ رکھا ہوا تھا۔ آنحضورؑ نے اس میں اپنی انگلی ڈبو کر میری آنکھوں میں پھیر دی۔ جب میں بیدار ہوا تو نابینا تھا۔'' مخالفینِ حجتِ خداوندی کی فقط طرفداری بھی سزا کا موجب بنتی ہے۔ یہ اصول اب بھی، اور خصوصاً ظہورِ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موقعہ پر ہماری راہنمائی کرے گا۔

40) انتظامی پہلو

اس سلسلے میں یہ ذکر کرنا ہی کافی ہوگا کہ امام عالی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اور اپنے انصارانؑ کی قبروں کے لئے بھی تین میل کا رقبہ خرید کر، یہ ''جاگیر علیؑ اکبرؑ'' قبیلہ بنو اسد کو ہبہ کر دی تھی۔ تاکہ قبریں بھی اپنی ہی جگہ میں ہوں اور زائرین کے لئے بھی کوئی دقت نہ ہو۔

41) ایفائے عہد کا خدائی معیار

میدانِ کربلا میں امامؑ عالی مقام تمام قربانیاں پیش کر چکے۔ اب راہنمائے شہدؑا و نجات دہندۂ نوعِ انسان کی باری تھی۔ ادھر امامؑ کے ہاتھ میں آسمانوں سے ایک کتابچہ اُتر آیا۔ اس میں وہ معاہدہ تحریر تھا جو امامؑ سے تخلیقِ کائنات سے قبل لیا گیا تھا اور امامؑ جس کے پابند تھے۔ مگر اس کی پشت پر واضح اور بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا کہ ''اَے حسینؑ یہ صحیح ہے کہ ہم نے اس معاہدہ میں تمہاری شہادت اور موت کو تم پر لازم قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو ہم اس معاہدہ کو واپس لے لیں اور ساتھ ہی تمہارے اجر اور مرتبہ میں کوئی کمی بھی نہ ہونے پائے۔ لہٰذا ہم اس آزمائش کو ختم کئے دیتے ہیں''..... جب امامؑ نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اس کتاب کو آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر اوپر کو روانہ کر دیا اور فرمایا کہ اے اللہ اگر

میں تیری اطاعت کے لئے اور تیری محبت میں اور تیرے دین کو زندہ کرنے میں اور تیری شریعت کو بحال رکھنے میں ستر مرتبہ یا ستر ہزار مرتبہ زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں تب بھی مجھے کوئی گرانی و ناگواری نہ ہوگی۔ میں نے تیرے دین کیلئے دنیا کی زندگی اور اپنے پیاروں کی زندگیوں کو قربان کر دیا ہے اور اب میں قربان ہوتا ہوں۔ یہ فرمایا اور جنگ جاری رکھنے کیلئے اپنا نیزہ اور ہتھیار سنبھال لئے۔''

(اکسیر العبادات صفحہ 396)

عرش اعظم میں زلزلہ تھا، آسمان رو رہے تھے، ملائکہ چیخیں مار رہے تھے، اللہ کی تمام مخلوقات کی نظریں کربلا کے میدان پر جمی ہوئی تھیں۔ ظلم و بربریت کی انتہا دیکھ کر اعلیٰ ترین مخلوقات نے بھی منہ پھیر لئے۔ یہ امتحان پیغمبرؑوں کے امتحان سے ہزار گنا بڑا تھا۔ تبھی ایک شاعر نے یوں منظر کشی کی۔

الٰہی بس کر خدا سے کہہ کر　　چلے جہاں سے سبھی پیمبرؑ
لٹا کے اکبرؑ اُٹھا کے اصغرؑ　　چلے ہیں مقتل کو ابن حیدرؑ
لبوں پہ ہے شکر کبریا کا　　اگرچہ گردن ہے زیرِ خنجر
صدا یہ خالق کی آرہی ہے　　حسینؑ بس کر حسینؑ بس کر

42) حق کو لبیک، باطل سے انکار

کربلا نے یہ درس دیا ہے کہ صرف اور صرف خوفِ خدا ہونا چاہئے۔ حق کو لبیک اور باطل کو مطلق انکار کرنا ہے۔ انتہائی ناتوانی اور نامساعد حالات میں انسان اکیلا ہی کیوں نہ ہو، کلمہ حق کہنا واجب و لازم ہے۔

یہ درس کربلا کا ہے　　کہ خوف بس خدا کا ہے

43) پہلی فیصلہ کن جنگ

واقعہ کربلا اسلامی تاریخ میں حق اور باطل کے درمیان پہلی اور فیصلہ کن جنگ ہے جو سچ اور عدل و انصاف کی خاطر اور ظلم و استبداد، معاشی ناہمواری، غربت و افلاس، جہالت، معاشی، معاشرتی و مذہبی دہشگردی اور سامراجی قوتوں کے خلاف لڑی گئی۔ جس کے اثرات تمام انسانیت پر مرتب ہوئے اور تاقیامت قائم رہیں گے۔

44) انسانیت

امامؑ عالی مقام نے انسان کو ذلت کی زندگی سے نجات دلائی، باوقار زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا فرمایا۔ عیب کو عیب اور خوبی کو خوبی بنا کر دکھایا۔ بلاتفریق مذہب وملت، ملک وقوم۔ انس، پیار ومحبت، رواداری، بھائی چارہ، امن وآشتی اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا درس دیا۔

45) مظلوم کی مدد

امامؑ عالی مقام نے قومی حکومت کے نام نہاد اسلامی مذہب کو بے نقاب کیا۔ اُن کو اس طرح اُبھارا کہ وہ بلاتکلف ایسے اعمال ومظالم کر گزرے جو شیطان سے بھی ممکن نہ تھے۔ خود معصومؑ نے اعلان کیا؛

"اگر اللہ ورسولؐ نے مسلمانوں کو اولادِ علیؑ پر ظلم وستم کرنے کا حکم دیا ہوتا تب بھی وہ اس سے زیادہ ظلم نہ کرتے جو کربلا میں کیئے گئے۔"

عبداللہ بن عمر نے کہا تھا "اگر کربلا والی جنگ کافروں، عیسائیوں اور یہودیوں سے ہوئی ہوتی تو ہرگز وہ شرمناک مظالم نہ کرتے جو مسلمانوں نے کیئے۔"

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دکھانا چاہتے تھے کہ قومی اسلام کے ہیرو جانوروں کو پیاسا رکھنا تو گناہ سمجھتے تھے مگر اولادِ رسولؐ کو بھوکا پیاسا رکھنا عبادت اور اطاعت

خداوندی جانتے تھے۔ یہ نام نہاد مسلمان جانور ذبح کرنے سے پہلے اسے دانہ اور پانی دیناواجب سمجھتے تھے لیکن اولادِ رسولؐ کو پیاسا رکھ کر ذبح کرنا قومی دین کی خدمت خیال کرتے تھے۔ الغرض امام حسینؑ نے انسانیت کو جھنجوڑ کر جگا دیا۔ ظلم و ظالم کے خلاف دلوں میں ایسی نفرت وعداوت بھردی جو قیامت تک ہر بچے کو ورثہ میں ملتی اور بڑھتی چلی جائیگی۔ آپؑ مظلوم کیلئے ہمدردی و محبت اور جذبہ قربانی کا ایسا سیلاب لے آئے جو تمام ظالموں، جابروں اور غاصبوں کو بہالے جائے، جو ہر ایک فریب ساز غدار کو ڈبو کر رکھ دے۔ وہؑ اللہ کی راہ میں انسانی فلاح و بہبود اور ظلم کے خلاف مظلوم کی مدد کیلئے جان دینے والوں کو آنکھوں دیکھا نوک نیزہ پر بولنے والا اور زندۂ جاوید بنا دینا چاہتے تھے۔

46) دین کی مکمل تاریخ

واقعہ کربلا کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ دینِ اسلام کی مکمل تاریخ ہے۔ اس میں اللہ، رسولؐ اور قرآنی تعلیمات کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جس نے دین کو باطل کی ملاوٹ سے پاک کر کے اللہ کے بھیجے ہوئے اور انبیاؑ کرام کے پہنچائے ہوئے دین کو خالص کر دیا۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ حسینؑ اور حسینیتؑ ہی دین ہے۔ حسینیتؑ کے دائرہ سے باہر دین کے نام پر ظلم و بربریت، معاشی و معاشرتی و مذہبی دہشتگردی اور لادینی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا؛

”جس نے واقعہ کربلا کا انکار کیا یا اس کو بھلا دیا، اس نے دراصل اسلام کا انکار کیا۔ واقعہ کربلا کے سوا اسلام کے دامن میں کچھ بھی نہیں اور یہ واقعہ ہی اسلام کی تاحال موجودگی کا سبب ہے۔ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو آج نہ کوئی اسلام کا نام لیوا ہوتا، نہ کوئی اللہ کا نام لیوا ہوتا۔“

47) مقاصدِ شہادت اور اُن پر گواہی، امامؑ العصر والزمان کی زبان مبارک سے

زیارتِ ناحیہ میں امامِ زمانہؑ فرماتے ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے از سرِ نو نماز کو قائم کر دیا۔ لاجواب زکوٰۃ دی معروف کیلئے حکم نافذ کر دیا۔ منکرات اور حدود نا شناسی کو وضاحت سے منع کر دیا۔ آپؑ نے اللہ کی اطاعت کی اور ہرگز اسکی نافرمانی نہیں کی۔ آپؑ نے اللہ سے ایسا رابطہ رکھا کہ اسے رضامند کر لیا۔ آپؑ اللہ سے ڈرتے رہے۔ اسکی طرف نظر رکھی، ہر حالت میں اس کو ترجیح دی اور آپ نے قوانین کو زندہ کیا۔ فتنوں کے شعلوں کو بجھایا حق کی طرف دعوت دی اور آپؑ نے حق کی راہیں واضح کر دیں اور اللہ کی معرفت کیلئے جہاد کی تمام منزلوں کا انتہائی حق ادا کر دیا اور آپؑ اللہ کے مطیع رہے اور اپنے جدّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو رہے۔ اپنے والدؑ کے فرمان کو گوشِ ہوش سے سماعت کیا اور اپنے برادرؑ گرامی کی وصیت کو جلد پورا کیا۔ آپؑ دین کے ستونوں کو پھر سے بلند کرنے والے ہیں اور سرکشی کی بیخ کنی کرنے والے ہیں اور سرکشوں کے سر کچلنے والے ہیں۔ آپؑ اُمت کیلئے نصیحت کرنے والے اور موت کے بھنور میں پیرنے والے، بے مہار لوگوں کیلئے بے خوف مد مقابل اور خدا کی حجتوں اور براہین کے ساتھ قائم اور اسلام و مسلمین کیلئے رحم کرنے والے ہیں اور حق کیلئے مددگار اور آزمائش میں صابر رہنے والے ہیں۔ اور آپؑ دین کیلئے محافظ اور اس کی حدود پر حملہ آور کو شکست دینے والے ہیں اور آپؑ ہدایت کی نگہبانی اور مدد کرتے رہے اور آپؑ نے عدل کو وسیع کیا اور اسے پھیلا دیا۔ اور دین کی نصرت اور ہر پہلو ظاہر کرتے رہے اور دین کی توہین کرنے والوں کو روکتے اور تنبیہہ کرتے رہے اور اعلیٰ طبقہ سے غربا کے لئے مواخذہ

کرتے رہے اور احکام کے اجراء میں طاقتور اور کمزور کو برابر رکھتے رہے۔ آپؑ یتیموں کیلئے امن وچین اور تمام مخلوق کیلئے پناہ رہتے رہے اور آپؑ اسلام کی عزت اور احکام کا خزانہ اور انعامات کے ذمہ دار، اور اپنے جدؐ و پدرؑ کے طریقوں پر چلنے والے اور وصیت میں ہو بہو اپنے بھائیؑ کی مانند، ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے، پسندیدہ خو والے، جانے پہچانے کریم، رات کی تاریکیوں میں تہجد گزار، پائیدار اصول والے، تمام بزرگ صفات کے حامل، آپؑ کے تمام اقدامات عظیم الشان، آپؑ ہیں شریف النسب، کمالات کے انتہائی بلند مقام پر، بلند مرتبہ والے، لاتعداد فضائل کے حامل پسندیدہ خصلتوں والے، کثیر بخششوں والے، بردبار، ہدایت یافتہ، اللہ سے متصل، بڑے سخی، بہت مضبوط، علیم، آپؑ امام ہیں، شہید ہیں، خدا سے لو لگائے ہوئے متوجہ ہیں، جیت ہیں، ہیبتناک ہیں، آپؑ رسولؐ اللہ کے بیٹے ہیں، اور قرآن کیلئے آپؑ سند ہیں اور اُمت کے دست و بازو ہیں۔ اطاعتِ خداوندی میں کوشاں رہنے والے، عہد و میثاقِ خداوندی کے محافظ ہیں، فاسقین کے چلن سے احتراز کرنے والے، کوشش کرنیوالوں کیلئے سخی، طویل رکوع اور سجدے کرنے والے، دنیا میں مسافر، لذّاتِ نفسانی سے جدا رہنے والے، دنیا کی طرف خوفزدہ آنکھوں سے دیکھنے والے، آپؑ کی آرزوئیں دُنیا سے دست کش رہیں اور آپؑ کے رجحانات دنیا کی زیبائشوں سے کنارہ کش رہے۔ دنیا کی مسرتوں سے آپؑ کے گوشۂ چشم تک ہٹے رہے۔ اور آخرت کی طرف آپؑ کا ہمہ تن متوجہ ہونا مشہور و معروف ہے۔ حتّٰی کہ جب جور و ستم نے اپنی دست درازیاں شروع کیں اور ظلم کے چہرہ سے رہا سہا پردہ بھی اُٹھ گیا، اور گمراہی نے اپنے پیروکاران کو بلا لیا، اور آپؑ اس وقت تک اپنے جدؐ کے حرم میں مقیم تھے اور ظالموں سے ہر طرح دور، خانہ نشین رہ کر محراب کے اندر عبادت میں مصروف تھے۔

دنیا کی لذتوں اور خواہشات سے کنارہ کش رہ کر برائیوں کی مذمت اپنی طاقت کی امکانی حدود تک قلب وزبان سے کرتے رہے تھے۔ پھر آپؑ کے علم کا تقاضا ہوا کہ بیعت کا انکار کیا جائے اور فاجروں سے جہاد کیا جائے۔ چنانچہ آپؑ اپنے اہل بیتؑ اور اہل خاندان، اپنے شیعوں اور مددگاروں کو لے کر روانہ ہو گئے۔ اور آپؑ نے حق اور دلیل کو واضح کر دیا۔ اور حکیمانہ طریقہ پر موعظۂ حسنہ سے اللہ کی طرف دعوت دے دی۔ آپؑ نے شرعی حدود کو نافذ کرنے اور اپنے معبود کی اطاعت کا حکم دے دیا اور آپؑ نے ناپاکیوں اور سرکشی کی ممانعت کر دی۔ لیکن وہ ظلم و زیادتی سے آپؑ کے مقابل آئے اور آپؑ نے ان سے جہاد کیا بعد اس کے کہ آپؑ نے انہیں خوفِ خدا دلایا اور اُن پر اتمام حجت کی۔ مگر انہوں نے آپؑ کے متعلق ہر عہد کو توڑ دیا اور آپؑ کی بیعت سے نکل گئے اور آپؑ کے خدا اور آپکے جدّؐ کو غضب ناک کیا۔ اور آپؑ سے جنگ کی ابتدا کر دی تو پھر آپؑ بھی نیزہ و شمشیر لے کر میدان میں نکل آئے۔''

''افسوس ہے ان ناہنجار فاسقوں پر جنہوں نے آپؑ کو قتل کر کے اسلام کو قتل کر دیا اور نماز روزہ کو معطل کر دیا اور سنت اور احکام کو توڑ دیا۔ اور ایمان کی بنیادوں کو مسمار کر دیا اور قرآن کی آیات کو جلا دیا اور بغاوت و سرکشی میں انتہا کر دی۔ یقیناً رسولؐ اللہ آپؑ کے قتل سے مغموم ہو گئے۔''

مقاصدِ عزاداریٔ حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا؛

''عزائے حسینؑ اعلیٰ ترین عبادت ہے اور اس عبادت کی کوئی حدود نہیں۔ جہاں تک ہو سکے سید الشہدا امام حسینؑ کے غم میں گریہ و ماتم کرو۔ اگر دورانِ گریہ و ماتم تمہاری آنکھوں سے یا جسم سے خون جاری ہو جائے تو اس امر کا ثواب بے حساب ہے۔ غمِ مولا حسینؑ میں جو آنسو جاری ہوتے ہیں اور ماتمی کے جسم سے جو پسینہ بہتا ہے اس سے ملائکہ خلق ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو نہ فروعِ دین ہے نہ اصولِ دین ہے بلکہ یہ عبادت روحِ دین ہے۔ عزائے حسینؑ کے بغیر دین کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ جو شخص صفِ عزا بچھاتا ہے اور عزاداریٔ حسینؑ برپا کرتا ہے، اگر وہ کوئی اور عبادت نہیں بھی کرتا تو اس کی بخشش ممکن ہے۔ لیکن اگر کوئی تمام عبادتیں انجام دیتا ہے مگر عزاداریٔ حسینؑ نہیں کرتا تو اس کی ساری عبادتیں بے کار ہیں۔'' عزاداریٔ حسینؑ ہی وہ روح ہے جس کے باہر نکل آنے سے دین ایک لاش بن جائے گا۔ پہلے ناپاک اور پھر اس کے تمام اعضاء و جوارح گل سڑ کر ناقص ہو جائیں گے۔

امام محمد باقر صلوٰۃ اللہ علیہ السلام نے فرمایا؛

''میرے لئے یہ بات زیادہ باعثِ فخر نہیں ہے کہ میں آلِ رسولؐ ہوں یا میں امامؑ وقت ہوں۔ میرے لئے سب سے زیادہ باعث فخر یہ ہے کہ میں اپنے دادا حسینؑ کا اوّلین عزادار ہوں۔ میں مولا حسینؑ کا اوّلین نوحہ خواں ہوں اور مقتلِ حسینؑ کا راوی ہوں۔''

(حوالہ نور العزا صفحہ 311 طبع قم و مدارج حسینؑ طبع قم از علی بہشتی)

1) عزاداری کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ کا خطبہ

''محبتِ حسینؑ میں ماتم کرنا افضل ترین عبادت ہے اور اس کا ثواب بے حساب ہے۔ ماتمِ حسینؑ ہر واجب عبادت سے زیادہ واجب اور لازم ہے۔ کسی بھی دوسری عبادت کو انجام دینے کے لئے ماتمِ حسینؑ کو ترک نہ کرنا کیونکہ یہ ہر عبادت سے بہتر و برتر ہے۔ کائناتوں میں کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے جو عزاداریٔ حسینؑ کا قیام نہ کرتی ہو۔ ہر مخلوق اپنی اپنی بساط کے مطابق ماتمِ حسینؑ انجام دیتی ہے۔ ماتمِ حسینؑ ہمارے جدّ رسولؐ اللہ کی خوشنودی اور ہماری مادر گرامی بی بی فاطمہؑ کے دل کی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی خلوص دل سے ماتمِ حسینؑ برپا کرتا ہے جنت میں اس کے گھر کی ذمہ داری ہم لیتے ہیں۔ دل و جان سے ماتمِ حسینؑ برپا کرو کیونکہ یہ ماتمِ حسینؑ ہی تمہاری بقا کا ضامن ہے، سفینۂ نجات ہے اور یہی تمہاری بخشش کا سبب ہوگا۔ غمِ حسینؑ روح کی تعمیر کرتا ہے انسان کو انسان بناتا ہے اور انسانی درجات کو بلند کر دیتا ہے۔ حسینؑ کے غم میں رونا اور ماتم کرنا پیغمبروںؑ کی سنت اور ہم معصومینؑ کا شیوہ ہے۔

محبتِ حسینؑ کی کوئی حد نہیں ہے محبتِ حسینؑ لامحدود ہے۔ محبت و غمِ حسینؑ میں اپنے خون کی نذر دینا سب سے عظیم نذر ہے۔ ہر شیعہ کو زندگی میں ایک بار ضرور ماتمِ حسینؑ میں خون کا نذرانہ دینا چاہیئے۔ ماتمِ حسینؑ میں اپنا خون بہانا عبادتوں کی معراج ہے اور غمِ حسینؑ میں خلوصِ نیت سے خون بہانے والوں کا مقام ملائکہ سے بھی بلند ہے۔ کربلا میں شہادتِ حسینؑ سے انسانیت ایک لامحدود دکھ درد اور غم والم میں مبتلا ہوگئی، اس سے انسانیت کے دلوں میں محبتِ آلِ محمدؐ پیوست ہوگئی، جس سے عزاداری وجود میں آئی

اور ماتم وعزاداری کا قیام ہی مقصد حسینؑ کی کامیابی ہے۔جو کوئی بھی عزاداری سے روکے، جو شخص بھی ماتمِ حسینؑ کے خلاف بات کرے، جو فرد بھی کسی وجہ سے عزاداری سے دوری اختیار کرے، وہ گروہِ ظالمین میں سے ہے۔لعنت بھیجو ہر اس شخص پر جو ماتم حسینؑ ،عزاداریِ حسینؑ سے روکے یا اس پاک عبادت کے خلاف کوئی بھی بات کرے۔" (کائنات کربلا طبع قم صفحہ نمبر 61،کتاب مقتل ابو بصیر طبع نجف صفحہ 34 تاریخ عزاداری طبع دہلی صفحہ 140)

2) حسینؑ کافی ہیں

ایک صحابی،مولا امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شخص کے بارے میں بتایا کہ ایک ایسا شخص عراق میں رہتا ہے جو لا دین ہے۔کسی کو نہیں مانتا،کوئی عبادت نہیں کرتا،بس ایک عمل کرتا ہے۔ہر وقت آپؑ کے دادا مولا حسینؑ کا ذکر تا رہتا ہے۔......مولا حسینؑ کی تعریف بیان کرتا ہے اور ان کا نام لے کر گریہ و ماتم کرتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں آپکا کیا حکم ہے؟ مولا امام باقرؑ نے فرمایا "بے شک وہ شخص نجات یافتہ ہے۔۔۔جس نے حسینؑ کا ذکر کیا،جس نے مولا حسینؑ پر گریہ و ماتم کیا، جس نے تمام تر شعور کے ساتھ حسینؑ کو مان لیا،اس نے نجات پائی اور جنت ایسے نجات یافتہ شخص کو تلاش کرتی رہتی ہے......

جان لو! پورے عالمین کے لئے حسینؑ کافی ہیں۔ کائنات کے ذرے ذرے کے لئے حسینؑ کافی ہیں۔ زمینوں، آسمانوں،صحراؤں اور دریاؤں کیلئے حسینؑ کافی ہیں۔انبیاؑ و ملائکہ و اولیا و اصیا کیلئے حسینؑ کافی ہیں۔ عرش کیلئے،فرش کیلئے،انسانوں کیلئے اور جنات کیلئے حسینؑ کافی ہیں۔آفتاب کے لئے ، ماہتاب کیلئے،ستاروں کیلئے اور سیاروں کے لئے حسینؑ کافی ہیں۔سب معصوؑمین

کیلئے حسینؑ کافی ہیں۔ اللہ کے لئے حسینؑ کافی ہیں..... جس نے حسینؑ کو مان لیا اس نے حق کو جان لیا.... جس نے حسینؑ کی بندگی اختیار کر لی وہ انوار کا مجموعہ بن گیا۔ جس نے حسینؑ کا غم منایا وہ انسانوں میں افضل ترین قرار پایا........ حقیقت یہی ہے کہ حسینؑ کافی ہیں...... ہر حقیقت کیلئے حسینؑ کافی ہیں....... (حوالہ کتاب حجاب قدوسی، صفحہ ۴۶)

3) امام العصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پرسہ

زیارتِ ناحیہ میں امام عصرؑ فرماتے ہیں؛

''ملعون عمر بن سعد نے آپؑ پر پانی بند کر دیا اور یکبارگی تمام افواج تیزی کے ساتھ آپؑ پر ٹوٹ پڑیں۔ سب نے ظلم وستم کے ساتھ دست درازی کی، آپؑ کو تیروں سے چھلنی کر دیا۔ آپؑ کی نسبت اپنی ذمہ داری کا احساس تک نہ کیا۔ اور نہ یہ غور کیا کہ آپکوؑ اور آپکےؑ ہمراہیوںؑ کو قتل کرنے میں اور سامان لوٹنے میں وہ کس بدترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔ اور آپؑ جنگ کے غبار میں دھنستے چلے جارہے تھے اور ہر قسم کی اذیت برداشت کر رہے تھے۔ آپؑ کے صبر وتحمل پر آسمانوں کے فرشتے متعجب تھے۔ پس اُن ملعونوں نے آپؑ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور زخموں پر زخم لگا کر آپکوؑ مضمحل کر دیا۔ دم تک لینے کی مہلت نہ دی۔ آپؑ کا کوئی مددگار باقی نہ رہا تھا اور آپؑ عالم تنہائی میں نہایت صبر وضبط کے ساتھ اپنے بچوں اور عورتوں سے ان ملعونوں کو دور کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپکوؑ گھوڑے سے گرا دیا۔ زخموں سے چور چور آپؑ زمین پر گرے تو لشکر کے گھوڑے اپنے سموں سے جنابؑ کو کچل رہے تھے۔ اور وہ سرکش ملعون تلواریں سونتے چڑھے چلے آتے تھے۔ آپؑ کی جبین پر موت کا پسینہ تھا اور آپؑ کے

دست و پا ادھر اُدھر پھیلتے اور سمٹتے تھے۔آپؑ کی بند ہوتی ہوئی آنکھیں اپنے خانوادہ اور بچوں کو دیکھ رہی تھیں۔اور آپؑ کی اپنی ایسی نازک حالت تھی کہ ایسے عالم میں کنبہ اور بچوں کا دھیان ناممکن تھا۔اور اُسی وقت آپؑ کا گھوڑا بڑی تیزی کے ساتھ ہنہناتا ہوا، روتا ہوا آپؑ کے خیموں کی طرف دوڑا۔ جب اہل حرمؑ نے گھوڑے کو بلا سوار کے دیکھا اور دیکھا کہ زین ایک سمت میں ڈھلک گئی ہے تو وہ سب بیقرار ہو کر خیموں سے نکل پڑیں۔وہ سب نوحہ و بکا کر کر کے اپنے بزرگوںؑ اور وارثوںؑ کو پکارتے ہوئے سب کے سب آپؑ کی قتل گاہ کی طرف جا رہے تھے۔عزت کے بعد ذلت سے دیکھے جا رہے تھے اور شمر ملعون اس وقت آپؑ کے سینہ پر بیٹھا تھا اور اپنی تلوار آپؑ کی گردن مبارک پر چلا رہا تھا آپکیؑ ریش مبارک ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا اور اپنی ہندوستانی تلوار سے ذبح کر رہا تھا۔ آپؑ کے ہاتھ پیروں نے حرکت چھوڑ ی اور آپکیؑ سانس کی آمدورفت بند ہوگئی۔اور آپؑ کے سر کو نیزہ پر بلند کیا گیا اور آپؑ کے اہل حرمؑ کو غلاموں کی طرح قیدی بنالیا گیا اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر اونٹوں پر سوار کر دیا گیا۔ دن کی دھوپ اُن کے چہروں کو جھلستی رہی اور وہ مظلوم بیابانوں اور جنگلوں میں سے گزارے جا رہے تھے۔ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے تھے۔افسوس ہے ان نانہجار فاسقوں پر جو مظلوموں کو شہر بہ شہر پھرائے جا رہے تھے۔''

''یا رسولؐ اللہ! آپؐ کا نواسہ، آپؐ کا بچہ قتل کر دیا گیا، اور آپؐ کے اہل و عیالؑ اور جانثاروں کو برباد کر دیا گیا۔آپؐ کے بعد آپکیؐ ذریت کو قیدی بنالیا گیا۔اور آپکیؐ ذریتؑ و اہلبیتؑ پر بڑے مہیب مظالم ہوئے۔یہ سن کر رسولؐ اللہ تڑپ گئے اور انکا دل

رو دیا۔ ملائکہ اور انبیاؑ نے اُنؑ کو آپؑ کا پرسہ دیا۔ آپکیؑ والدہ فاطمہ زہراؑ بیتاب و بے قرار ہو گئیں۔ ملائکہؑ مقربین کی فوجیں یکے بعد دیگرے جمع ہونے لگیں۔ جو سب آپکے والدؑ بزرگوار کو پُرسہ دے رہے تھے۔ اور آپؑ کے غم میں اعلیٰ علیّین میں ماتم برپا کیا گیا۔ آپؑ کی اس مصیبت پر حورانِ جنت اپنا منہ پیٹ رہی تھیں۔ آسمان اور آسمانوں پر بسنے والے آپؑ پر روئے۔ جنتوں کے محافظ اور جنتیں روئیں۔ پہاڑ اور انکی قطاریں روئیں۔ جنتیں اور فرزندانِ جنت روئے۔ سمندر اور ان کی مچھلیاں روئیں۔ مکہ اور اسکی بنیادیں روئیں۔ کعبہ و مقامِ ابرہیمؑ و مشعر الحرام و حل اور حرم سب نے آپؑ کے غم میں گریہ و بکا کیا۔"

4) <u>امام حسینؑ کے خطبہ سے اقتباس</u>

"اللہ اور محمدؐ مصطفیٰ کا جو تم پر حق ہے، ہم اس حق کا واسطہ دے کر اور رسالتؐ مآب سے اپنی قرابت کا واسطہ دے کر آپ لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس جگہ کھڑے ہونے کو تم پوشیدہ مت رکھنا۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اسے اپنے شہروں میں، اپنے قبائل میں ان لوگوں سے کہ جن پر تمہیں اعتماد ہو، ان سب سے ہمارا پیغام بیان کر دینا اور اُن سب کو دعوت دینا۔ ہم ڈرتے ہیں کہ یہ معاملہ کہیں برباد نہ ہو جائے حق ضائع نہ ہو جائے اور باطل غالب نہ آ جائے۔ اللہ اپنے نور کو درجہ کمال تک پہنچانے والا ہے چاہے کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔"

(از لمعة من بلاغة الحسینؑ، از سید مصطفیٰ محسن الموسوی الحائری)

شہادت کے مقاصد کو حاصل کرنے اور نسل در نسل قیامت تک برقرار رکھنے کیلئے عزاداریٔ حسینؑ کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس کے قیام کے لئے ناموسِ رسالتؐ کو بہت بڑی قیمت چکانا پڑی۔ تمام مصائب و آلام کو صبر، شکر، اطمینان اور استقلال کے ساتھ

برداشت کیا۔ بنوامیہ کی گھڑی ہوئی اسلامی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ امام حسینؑ کی پوزیشن کو مشکوک کرنے اور مسلمان پبلک کی نفرت اور عتاب سے بچنے کیلئے یزید اور اہلکارانِ یزید، امامؑ کا کسی بھی حال میں نام نہ لیتے تھے۔ بلکہ یہ شہرت دے رہے تھے کہ (معاذاللہ) ایک خارجی نے مسلح بغاوت کی، جنگ کیلئے میدان میں آیا، اسے شکست دی گئی، قتل کیا گیا اور اس کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو خارجی مذہب کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ کرتے چلے آرہے تھے۔ ان اعلانات و بیانات نے پورے ملک کو یکسو اور چین سے رکھا۔ اور پبلک نے ہر اس سلوک کو جائز سمجھا جو یزید اور اسکی حکومت اُس باغی خارجی سے کرے۔ چنانچہ پورے ملک کی چھاؤنیوں سے افواج خوشی خوشی آکر جمع ہوئیں۔ یزید اور اُسکے اہلکاروں، افسروں اور سرداروں سے تعاون منتہائے کمال تک جا پہنچا۔ امام حسینؑ کا اوّلین اور آخری منصوبہ یہ تھا کہ وہ مملکت کے ہر فرد کو اس فریب اور مغالطہ سے باہر نکال کر اپنا صحیح تعارف کرائیں۔ چنانچہ مدینہ سے روانگی، مکہ میں قیام کے دوران تمام عالمِ اسلام سے آئے ہوئے حجاج، کربلا، اور اس سفر کے دوران آپؑ کے ہر اقدام میں یہ تعارف پہلا مقصد رہتا چلا گیا۔ یہی مقصد تھا جسے اپنے بعد قیامت تک جاری رکھنے کیلئے مستورات اور بچوں کو ہمراہ لائے تھے، جنہوں نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی سربراہی میں ہر ظلم کو انتہائی صبر واطمینان سے برداشت کیا۔ شہر بہ شہر تشہیر، شہروں، بازاروں اور درباروں میں بی بیؑ کے خطبات اور قیامِ عزاداری نے اس مقصد کو ذمہ داری اور کامیابی کے ساتھ عملاً پروان چڑھایا اور یزیدی حکومت کے تمام راز کھل گئے جنہیں (معاذاللہ) باغی وخارجی کی آڑ میں چھپایا جارہا تھا۔

5) جذبۂ فداکاری وجانثاری

عزاداریِ حسینؑ ایک ایسا مادی یا محسوس قابل عمل نظام ہے جس سے بنی نوع انسان کے قلوب فتح کیئے گئے ۔جس نے ظلم و استبداد کی عمارتیں تہہ و بالا کر ڈالیں۔ آزادیٔ ضمیر و روح کا ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا جو مختلف صورتوں میں ساری دنیا میں پھیل گیا۔ دانشمندانِ بنی نوع انسان نے اس نظام کے اصولوں سے طرح طرح کے محاذِ آزادی قائم کیئے ۔مختلف مگر مقصد سے مطابق نام رکھے۔ مظلوم کی حمایت، ظالم کی فنا، وقارِ انسانیت کی بلندی بے مایہ و بے چارے انسانوں کو اقوام عالم کے دوش بدوش پہنچانا، مستورات کو ان کا صحیح مقام فراہم کرنا، بچوں کی پرورش پر خاص توجہ دینا۔ ایسے بوڑھے، ایسے جوان اور مستورات تیار کرنا جیسے معرکہ کربلا میں پیش کیئے گئے تھے۔ الغرض ایک ایسی قوم وجود میں لانا جو طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل اس حیثیت سے کامیاب ہو، جو میدانِ کارزار کیلیئے اپنا خون چھڑک کر مسکرا سکے۔ جو اپنے حسین اور عزیز جسم کو قیمہ کی صورت میں اس طرح اچھالے کہ نام نہاد مقدس لوگ لرز اٹھیں۔ آنکھیں بند کر لیں، اپنے لباس اور پوشاک بچانے کیلیئے ہٹ کر کھڑے ہوں ۔اور ظالموں کے دلوں میں مستقل خوف اور سروں پر لٹکی ہوئی تلوار بنیں۔

6) دکھی انسانیت کا قبلۂ مراد

خدا کے فضل و کرم اور عزاداری کی برکتوں سے ایسے دلیر اور جانفروش لوگوں کی ایک قوم مسلسل موجود ہے۔ اور یہ عزاداریٔ محمدؐ و آل محمدؑ ان کی فداکارانہ محبت و کردار کی وجہ سے زندہ ہے ۔اس قوم کے جذبۂ محبت نے لکڑی کے تعزیوں پر، ایک نقلی علم پر، ایک کرائے کے گھوڑے پر، محمدؐ و آل محمدؑ اور شہدائے کربلاؑ و بنی نوع انسان کی ارواح مقدسہ کو تشریف لانے پر آمادہ کیا۔ گھوڑا کسی بے ادبی کی بنا پر بگڑا، ماتم اور زنجیر زنی میں شدت پیدا ہوتے ہی سر جھکا لیا۔ معلوم ہوا کہ سرکارؑ تشریف فرما ہیں۔

بے اولاد، اندھے ومحتاج اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا انسان انہی کے جذبۂ قربانی کے صدقہ میں با مراد ہوتے رہے۔اس استفادہ میں مذہب وملت کی شرط نہ تھی ۔یہود و اہل ہنود الغرض تمام بے مراد لوگوں کیلئے یہ نظامِ عزاداری ایک قبلہ مُراد بن گیا۔انگریز، ہندو، سکھ، راجا، مہاراجا ننگے پیر چلتے تھے۔لاکھوں روپیہ ہر سال اس عزاداری پر خرچ کرتے تھے۔حدتو یہ کہ تبرک مسلمانوں سے تیار کراتے تھے اور اُن ہی سے مٹھائی وغیرہ تقسیم کراتے تھے۔جولوگ ساری دنیا کومع مسلمانوں کے ناپاک قرار دیتے تھے وہ اس دربار میں اپنا ناپاک ہونا بلا تکلف تسلیم کرتے تھے۔

(تفصیل کے لئے''مرکزِانسانیت صفحہ 545''ملاحظہ فرمائیں)

7) عزادار ماتمی کے خون کا وزن

ہمارے امامِ زمانہؑ زیارتِ ناحیہ میں امام مظلومؑ کے حضور سلام پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں''سلام قبول کیجئے اس کا جو اگر حضورؑ کے ہمراہ میدان کربلا میں ہوتا تو آپکیؑ حفاظت میں اپنی جان کوتلوار کی باڑھ پر گراتا اور اپنی جان کو آپؑ پر نثار کرکے لاش کو موت کے حوالے کرتا اور آپؑ کے سامنے جہاد کرتا اور آپؑ کے باغیوں کے مقابلے میں آپؑ کی نصرت کرتا اور فدا کرتا آپؑ پر اپنی روح کو اور اپنے جسم کو اور اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو۔اور فدا کرتا اپنے اہل وعیال کو آپؑ کے بچوں اور عزیزوں کی سلامتی کے لئے۔اب اس حالت میں کہ جب زمانہ نے مجھے بہت پیچھے چھوڑ دیا اور عدم موجودگی کی بنا پر آپؑ کی نصرت سے باز رکھا اور آپؑ سے لڑنے والوں سے میں جنگ نہ کرسکا اور جنہوں نے آپؑ سے دشمنی کا محاذ قائم کیا تھا میں ان کے بالمقابل نبرد آزمانہ ہوسکا.........''

یہ قدرت کا نظام ہے،مشیت کا دباؤ ہے کہ لوگ واقعہ کربلا سے پہلے بھی موجود

تھے اور آج ہم اس زمانہ میں موجود ہیں۔ لیکن کربلا اور عزاداری حسینؑ وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد نظام ہے۔ مظلومِ کربلاؑ پر حضرت آدمؑ سے خاتم النبیینؐ تک تمام انبیاؑ و اوصیاؑ اور ان کی اُمتوں کا روزِ عاشور گریہ وعزاداری کا ذکر موجود ہے۔ حضورؐ ختمی مرتبت کو کتاب مقدس (انجیل) میں ''المعزی'' (صاحبؑ عزا) کہہ کر تعارف کرایا گیا ہے۔ (انجیل یوحنا، باب 14۔ آیت 26-25 و باب 16 آیت 14-7 کتاب المقدس)

کسی وقت بھی اور کسی بھی زمانہ میں، ذکرِ امامِ مظلومؑ ذاکر یا ماتم کرنے والوں کو اس جذبۂ فداکاری کی حد پر لا کھڑا کرتا ہے، جہاں ہمارے خون کا ہر قطرہ وہی وزن رکھتا ہے جو امام حسینؑ کے مشن پر فدا ہو جانے والے شہدا کے خون کے قطرات رکھتے ہیں۔ ہمارا خون پاک ہو جاتا ہے۔ ہم خون میں نہائے ہوئے اور خون میں لتھڑے ہوئے لباس سے بلا وضو نماز پڑھتے ہیں۔ نماز میں ولایتِ مرتضوی کی شہادت کا اعلان کرتے ہیں اور سلام میں سرکار رجعت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجتے ہیں تو سرکار قائم آل محمدؐ کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ یوں اپنے خون گوشت اور آنسوؤں سے سجا کر ان کے حضور میں شہدائے کربلاؑ کا پُرسہ وتعزیت پیش کرتے ہیں۔ انؑ کی نگاہِ کرم ہمارے زخموں کو مندمل کر دیتی ہے۔ ہمیں زیادہ قربانی کی قوتیں عطا کرتی ہے۔ یہ باتیں ملّا ازم کی عقل وشعور سے بہت بعید اور بالاتر ہیں۔

8) عزادار و مُسلم معاشرہ کا قیام

وہ معاشرہ جس کا اسلام یعنی سلامتی کے مذہب نے تصور دیا ہے، جس کا ذکر انبیاؑئے کرام اور قرآنی تعلیمات میں موجود ہے، تاریخ شاہد ہے کہ آج تک وہ معاشرہ معرض وجود میں نہیں آسکا۔ نہ کسی انقلاب یا تحریک سے یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکا اور نہ ہو سکے گا۔ عزادارِ حسینؑ اور حسینیتؑ ہی ایسا نظام ہے اور یہی اسلام ہے جو معاشرہ

میں سلامتی ہی سلامتی پیدا کر سکتا ہے۔اس کرہ ارض پر ایسے معاشرہ کا قیام،محرم سے لے کر اربعین تک،شہر نجف سے کربلا تک ظہور پذیر ہوتا ہے۔جن لوگوں نے ان ایام یعنی محرم سے اربعین تک کے دوران وہاں سفرِ زیارت کی سعادت حاصل کی ہے، صرف وہی حضرات عزادارو مُسلم معاشرہ کا ادراک کر سکتے ہیں۔ جہاں راستے محفوظ ہو جاتے ہیں،رزق کی فراوانی ہی فراوانی ہے،انسانیت کے لئے عزت واحترام اور وقارِ بلند موجود ہے۔زائرین کے لئے ہر گھر کا دروازہ کھلا ہے۔بغیر کسی جبر وکراہت کے، دلی رضامندی کے ساتھ، راستے بھر میں خدمت گار بلا اُجرت آپ کی خدمت کے لئے منت وسماجت کریں گے،آپ کے پاؤں کو آنکھوں سے مس کرنا سعادت سمجھیں گے،اپنے گھر سے زیادہ راحت وعزت ملے گی۔غرض یہ کہ ایک مسلم معاشرہ میں جس چیز کا تصور کیا جا سکتا ہے،موجود پائیں گے۔ایسے معاشرہ کا قیام صرف اور صرف عزاداریٔ حسینؑ اور حسینیتؑ کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔

9) **امامِؑ مظلوم کا استغاثہ،ہماری تمنا**

امامِ مظلومؑ نے انتہائی مظلومیت اور بے کسی کے عالم میں بھی یہ چاہا کہ مجھے قتل ہونے سے پہلے ایک بار پھر اتمامِ حجت کر دینا چاہیئے اور یہ اتمام حجت پوری کائنات میں پہنچا دینا چاہیئے تا کہ زمین وآسمان کی ساری مخلوق ذمہ دارانہ پوزیشن اختیار کر لے اور کوئی بھی غلط طور پر نجات حاصل نہ کر سکے اور کوئی بلا وجہ گمراہ اور جہنمی نہ بن سکے اور اپنے اس مقدس مشن میں شمولیت کے نتیجہ میں خاطی انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچانے کی آخری کوشش کر لینی چاہیئے۔چنانچہ آپؑ نے نہایت غمگین و دلدوز لب و لہجہ میں بہت بلند آواز میں پکارا کہ؛

''کیا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے جو ہماری نصرت کرے؟ کیا کوئی ایسا فریادرس

نہیں ہے جو ہماری فریاد سن کر چلا آئے ؟ اور کیا کوئی توحید کا قائل ایسا نہیں ہے جو اللہ کے خوف سے ہماری مشکلات دور کرے؟ کیا کوئی محافظ ایسا نہیں جو حرمِ رسولؐ کا دفاع کرے۔؟''

الف) نصرتِ امام صلوٰۃ اللہ علیہ

امامِؑ وقت کی نصرت ہر شخص پر واجب و لازم ہے ولایتؑ کی طرح یہ کسی پر بھی ساقط نہیں ہوتی۔ اس کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ رسولؐ پاک نے فرمایا،

''تم میں سے جس کسی کے کان میں ہماری اہل بیتؑ میں سے کسی بھی فرد کی طلبِ نصرت کی صدا پہنچے اور وہ نصرت کے لئے حاضر نہ ہو تو اللہ اُسے نرخرے سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دے گا۔''

کیا یہ استغاثہ صرف روز عاشور تک محدود تھا؟ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ استغاثہ مقاصدِ شہادت امامؑ عالی مقام کے حصول تک موثر ہے۔ جب تک ایک یزیدی بھی دنیا میں زندہ ہے یہ استغاثہ اس وقت تک نافذ العمل ہے۔ جب تک یزیدیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ نہیں ہو جاتا یہ استغاثہ دنیا پر حکومتِ الٰہیّہ کے قیام تک لوگوں میں دعوتِ حق، شرف و سعادت تقسیم کرتا رہے گا۔

''کل یوم عاشورہ ، و کل ارض کربلا ''

جب تک حکومتِ الٰہیّہ قائمِ آل محمدؐ کی سربراہی میں قائم نہیں ہو جاتی

ہر دن عاشور کا دن اور ہر زمین کو کربلا کی زمین سمجھا جائے۔

امام علیؑ رضا فرماتے ہیں کہ ''اے ابن شبیب ! اگر چاہتے ہو کہ شہدائے کربلا جتنا ثواب حاصل کرو تو جب آنحضرتؐ کی مصیبت کو یاد کرو تو کہو؛

''**یا لیتنا کنا معکم فافوز فوزًا عظیما** ۔''اے کاش ہم بھی آپکےؑ ساتھ ہوتے

ہم بھی اس عظیم مرتبے پر فائز ہوتے۔'' یہ صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ حقیقت میں سمجھنا چاہیئے۔اس کیلئے اپنی جان ومال، اہل وعیال کو آزمائش کی بھٹی میں سے گزارتے رہنا چاہیئے۔چھوٹی چھوٹی کامیابیوں سے بڑی کامیابیوں کی طرف قدم بڑھاتے چلے جانا ہوگا۔کہیں ایسا نہ ہوجائے جیسا کہ ایک شخص کو خواب میں آزمایا گیا؛

''عاشور کا دن ہے۔امامؑ عالی مقام باجماعت نماز کی امامت فرمارہے ہیں۔تیر بارانی روکنے کیلئے زہیرؓ بن قین اور سعیدؓ کے ساتھ ڈیوٹی لگ گئی۔ایک تیر اپنی طرف آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے ذرا سا سرک گیا اور وہ تیر سیدھا امامؑ کی پیشانی مبارک میں پیوست ہوگیا۔''

امام عالیؑ مقام نے بھی اپنے انصاران کو کڑی آزمائشوں میں سے گزارا۔عاشور کی شب تو آزمائشوں کی انتہا تھی۔جب وہ حضراتؓ ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے تو حضرتؑ نے انکی نظروں سے حجابات ہٹادئے اور عظیم مرتبہ پر فائز کردیا۔

10) <u>انتظار اور کوشش</u>

قدرت کا قانون ہے کہ انتظار کرنے والوں کو وہی کچھ ملتا ہے جو کوشش کرنے والوں سے بچ جاتا ہے۔دورِ یزید میں کوفہ سب سے پہلا شہر تھا جہاں عبیداللہ ابن زیاد نے مارشل لا نافذ کیا تھا۔چپہ چپہ پر پولیس اور فوج تعینات تھی۔شہر چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا۔تمام رؤسا اور سربرآوردہ لوگ طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے پڑے تھے۔جو دو دو تین تین سال تک قلعہ کے برجوں اور جیل خانوں میں اپنا سر پھوڑ پھوڑ کر روتے تھے اور آزادی ملنے پر یہ کہتے تھے کہ ہائے افسوس ہم نے امام حسینؑ کو یہاں بلایا اور پھر مدد نہ کرسکے۔انہیں تہہ تیغ کردیا گیا۔اُن کے بچوں کو بھوکا پیاسا قتل کردیا گیا۔یہ شدتِ انفعال کا احساس اسلئے تھا کہ انہوں نے پہلے سے ایسا انتظام کیوں نہ

کیا کہ وہ گرفتار ہونے سے محفوظ رہتے۔اور یوں بے بس ہو کر نہ رہ گئے ہوتے۔انہوں نے دارالامارہ پرنظر کیوں نہ رکھی؟انہوں نے اموی سیاست کواوراس بےنظیر سیاسی دماغ کو کیوں حقیر سمجھا؟انہوں نے کیوں ہر بات کوامام علیہ الصلوٰۃ والسلام کےآجانے پر چھوڑ دیا؟ کربلا نے ایسے اسباق دیئے کہ ساری دنیا کے ریفارمر اور لیڈر آج تک راہنمائی حاصل کررہے ہیں۔ہمیں بھی امامؑ کےظہور کے لئے صرف مصلے بچھا کر دعائے تعجیل ہی نہیں پڑھنی ہوگی۔ہمیں حضورؑ کےظہور کے لئے قبل از وقت انتظامات کرنا ہوں گے۔نصرت کے لئے منظّم پروگرام طے کرنا ہوں گے۔ایسا نہ ہوکہ بعد میں کفِ افسوس ملتے رہ جائیں۔

11) نہ بعد کربلا قربانی بندہوئی نہ امامؑ نے انعام بندکیا

سانحہ کربلا کے بعدآئمہ علیہم السلام نے دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں بنفس نفیس تیغ بکف میدان میں نہ آناطے کرلیا تھا۔اس لئے کہ یہ مادی شکست مادی وسائل فراہم نہ کرنے کی بناپر ہوئی تھی۔یہ مومنین کا فریضہ تھا کہ وہ تمام مل کر مادی وسائل فراہم کرتے اورخانوادۂ رسولؐ اورامام حسینؑ کامادی تحفظ کرتے۔جس طرح یزیداورابن زیاد نے لاکھوں کی تعداد میں افواج اوراسلحہ میدان میں بھیجے،راہیں بندکیں اوروہ سب کچھ کیا کہ جس سے خانوادۂ رسولؐ دُنیا سے مٹ کر رہ جائے۔اسی طرح جہاں جہاں مومنین موجود تھے اور جہاں جہاں ماہ رجب سے لے کر ماہ ذی الحجہ (چھ ماہ) تک اطلاع پہنچی تھی وہاں وہاں سے مومنین اس طرح نکل نکل کرفداکاری کے لئے کربلاآجاتے،جس طرح کوفہ سےسینکڑوں مومنین آئے اورشہید ہوئے۔حالانکہ کوفہ کی طرح کہیں اور مارشل لانافذ نہ تھا۔بڑے بڑے راستے اگر بند تھےتو چھوٹے چھوٹے راستوں سے آتے۔جماعت کی صورت میں آنا بند تھا تو فرداً فرداً،ایک

ایک، دو دو کر کے پہنچتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوفہ کے علاوہ تمام واقف کار مسلمان مکہ و مدینہ اور دیگر شہروں میں بیٹھے رہے، کھاتے پیتے اور عیش کرتے رہے۔ نمازیں پڑھتے اور خود کو صحیح دینِ اسلام پر فائز سمجھتے رہے۔ اپنے اعمال پر مطمئن ہو کر امامؑ وقت سے غافل رہے۔ کربلا کے میدان میں ان سب کا اہل باطل ہونا اور اسلام سے خارج ہونا ثابت ہو گیا۔ ان کی عبادتیں اور نمازیں ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گئیں۔ حق و باطل یا اسلام و کفر میں ایک بیّن فرق اور تمیز قائم کر دی گئی اور یہ قدرتی اور فطری طور پر طے پایا کہ اب ہر امامؑ عصر خود کو قومی و ملکی حکومت کے یزیدی جانشینوں سے محفوظ رکھے اور مومنین میں وہ جذبہ پیدا کرے جو کربلا کے مجاہدین میں موجود تھا۔ اور آئندہ مومنین کو قتلِ عام سے محفوظ رکھ کر ایسے محفوظ اقدامات کی تعلیم دے جن سے اس مستبد اور غاصب حکومت کو بتدریج ختم کیا جا سکے۔

کوفہ ہی سے وہ تحریک اُٹھی تھی جس نے نام نہاد اسلامی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اگر یہ سلسلہ اُسی صورت میں چلتا رہتا تو نہ بارہویں امامؑ کو غیبت کبریٰ کا اعلان کرنا پڑتا اور نہ مومنین کو بعد کی ذلت وخواری اور خاطی قیادت کی بیڑیاں پہننا پڑتیں۔ لیکن دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ نے رفتہ رفتہ نظامِ اجتہاد کو شیعوں پر مسلط کر کے ان کا جزوِ مذہب بنا دیا اور یوں ملتِ شیعہ سینکڑوں مجتہدین کی تقلید میں ہزاروں ٹکڑوں اور جماعتوں میں بکھر گئی اور مرکزیت کے لفظ تک کو بھول گئی۔ بلکہ انکے خاطی اور دشمن اسلام قائدین نے ان لوگوں اور جماعتوں پر کفر والحاد کے فتاویٰ جڑنا شروع کر دیئے جو حکومتوں سے برسرِ پیکار تھے۔ بہر حال جب نظامِ اجتہاد نے شیعوں کو بھی اسی قسم کی زندگی اور اسی قسم کی عبادتوں اور روزہ و نماز میں اُلجھا کر مطمئن کر دیا، جس قسم کی زندگی مخالف علما اور مخالف حکومتوں کے مذہب نے رائج کی تھی، اور بجائے معصومؑ

قیادت واطاعت کے خطا کاروں کی قیادت وتقلید شیعوں پر مسلط ہوگئی تو امامؑ زمانہ اور اُن کا نظام پردہ غیبت میں چلا گیا اور شیعوں کو مجتہدین کے حوالے کر دیا گیا جہاں مذہبی سپرٹ، مذہبی تحقیق اور مذہبی مقاصد کو اندھی تقلید کی چُھری سے ذبح کر دیا گیا۔ صرف شہادتِ حسینؑ اور عزاداری باوجود کوششوں کے اُن کے ہاتھوں ذبح ہونے سے بچی رہی۔ جس سے مذہبِ معصومینؑ کے آثار وجذبات باقی رہتے چلے آئے۔ لیکن رفتہ رفتہ عزاداری کو بھی تبدیل کر دیا گیا۔ بدعت وشرک والحاد کا ایسا شور وغوغا مچایا گیا کہ وہ تمام رواسم ختم ہوگئے جن سے قلوب میں انقلاب پیدا ہوتا تھا۔ شیعہ مذہب کا کام اور مقصد تبدیل کر دیا گیا ان کا مقصد یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ ملتِ شیعہ کو یزیدی حکومت کے مذہب پر لگا دیں یا کم ازکم جذبہ فدا کاری اور عاقبت اندیشی اور ذاتی تحقیق وتجسس اور ترقی کو ختم کر دیں۔ بہرحال اگر آج کوئی مومن اپنی جان ومال، اہل وعیال کو امامؑ زمانہ کے مقاصد کی انجام دہی میں لگانے کا تہیہ کر لے تو امام علیہ السلام کی طرف سے اسکی مدد اور نصرت ہر لحہ منتظر ہے۔ وہ امام حسینؑ کے بعد برابر جاری رہی ہے۔

(تفصیل کیلئے ”مرکز انسانیت صفحہ نمبر 619“ ملاحظہ فرمائیں)۔

12) جذبۂ انتقام کو ابھارنا، پرخلوص انصار پیدا کرنا

امام حسینؑ نے فرمایا؛

”خدا کی قسم میرا خون اس وقت تک کھولتا رہے گا جب تک کہ حضرت قائمِ آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث نہیں ہوتے اور میرے خون کا فاسق، فاجر، کافر ومنافقین سے انتقام نہیں لیتے اور ستر ہزار کو قتل نہیں کرتے۔“

جب امامؑ العصر والزمان ظہور فرمائیں گے تو حضورؐ کی عدالت میں سب سے پہلا مقدمہ ہی واقعہ کربلا کا پیش کیا جائے گا۔ ہائے افسوس! عاشور سے لے کر اس وقت

تک امام حسینؑ وانصارانِ حسینؑ روزِ عاشوروالی حالت میں رہیں گے۔

عزاداریٔ امام حسینؑ کا ایک بڑا مقصد انتقام کی آگ کو سلگائے رکھنا ہے۔ پُر خلوص و با اعتماد جان نثار مہیا کر کے امامِ منتقمؑ کی نصرت کرنا ہے۔ جانثاروں کو منظّم کر کے مرکز سے منسلک کرنا ہے۔ ہماری عزاداری ابھی موثر نہیں ہے۔ جس کی وجہ ناصرین کی قلتِ تعداد، خلوص واعتماد کا فقدان اور مرکزیت سے دُوری ہے۔

13) حجتِ خداؑ کے حضور ذمہ دارانہ پوزیشن

جس طرح انصارانِ حسینؑ نے حجتِ خداؑ امام حسینؑ کے حضور ہمہ قسمی ذمہ داری نبھائی تھی عزاداریٔ حسینؑ بھی ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ عزادار کیلئے لازم ہے کہ اپنی تمام تر جسمانی، عقلی، معاشی ومعاشرتی وسعتیں اپنے حجتِ خداؑ، امامؑ العصر والزمان کی خدمت اقدس میں پیش کرے۔ دنیاوی ذمہ داریاں پورا کرتا ہوا خود کو ہلکا پھلکا رکھے۔ ہمہ وقت نصرتِ امامؑ کے لئے تیار رہے۔ اور اس ضمن میں انتقامِ کربلا کی ان تمام حسرتوں کو اپنے سامنے اس طرح تازہ رکھے جس طرح لمحۂ موجود تک شہدائے کربلا نے رکھی ہوئی تھیں۔ ہر روز اپنے اور اپنے امامِؑ زمانہ کے درمیان معاہدہ کی تجدید کرے اور امامؑ وقت سے اپنے عہدِ وفا کو تازہ رکھے اور جذبۂ ''المودۃ'' کیلئے ہر لمحہ اپنی جان ومال واہل وعیال سمیت قربانی اور نفاذِ ولایت کیلئے تیار رہے۔

14) مقاصدِ شہادتِ حسینؑ کی تکمیل ہی مقاصدِ عزاداری ہیں

امام عالی مقامؑ نے تمام انسانیت اور مکمل دین کو اصل بنیادوں پر قائم کرنے کیلئے اپنی اور اپنے انصارانؑ کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے اسیرانِ کربلاؑ کو ناقابل برداشت مصائب وآلام، تذلیل وتوہین، ملک بھر میں تشہیر اور زندانِ شام کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے عزاداریٔ حسینؑ کے ایسے عمل پیہم کی

بنیاد رکھی، جس کے ذریعے قیامت تک مقاصدِ شہادت زندہ ہیں۔ان کا حصول اور اشاعت بلاتفریق جاری وساری ہے۔یہی وہ روح ہے جس کے بغیر دین مردہ ہے۔ امامؑ عالی مقام کی شہادت کے مقاصد جو ہم تحریر کر چکے ہیں یا جو ہم ضبط تحریر میں لانے سے قاصر رہے ہیں، اس پر آئندہ نسلیں رہتی دُنیا تک قلم اُٹھاتی رہیں گی ،ان کی تکمیل ہی عزاداریٔ حسینؑ کے مقاصد ہیں۔

مختصراً یہ کہ اپنے ایمان وعمل کا قبلہ درست رکھنا ہوگا۔ابلیسی توحید سے چھٹکارا، اللہ کی عدالت پر ایمان ،اللہ اپنے بنائے ہوئے قوانین ہرگز نہیں توڑتا۔قرآن مکمل ضابطۂ حیات ہے۔اس میں کائنات کی ہر شے کی تفصیل موجود ہے۔اللہ اوراس کے رسولوںؑ میں تفریق نہ کرنا،عصمتِ نبوتؑ اور رسوؐل پاک کے ہر ہر حکم کی اطاعت لازم ہے۔رسالتؑ کے بعد امامتؑ بلافصل ہے۔،امامتؑ ہی کو ولایت کا حق حاصل ہے۔عدل وانصاف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اجراء بھی امامؑ کے ذریعے سے حق ہے۔جنت وجہنم عارضی نہیں ہے۔حشر میں رب الارض کی عدالت میں لقاء اللہ لازم ہے۔جہاں اپنے ہر عمل کا حساب چکانا ہے۔فروعات میں سے ہر فرع سے متعلق نتائج ذہن میں رکھ کر عمل کرنا ضروری ہے۔انسانیت کی فلاح کیلئے جو اعمال مقرر کئے گئے ہیں اُن کے وہ نتائج مرتب ہوتے نظر آنا چاہئیں۔

عزاداری،خبیث وطیب مومنین اور حق وباطل میں حدِّ فاصل مقرر کرتی ہے۔وفا شعاری اور اطاعت شعاری کا درس دیتی ہے۔یقین کی منزلیں طے کرتے ہوئے حق الیقین کی منزل تک پہنچاتی ہے۔قربانی اورشہادت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔گنہگار اور دکھی انسانیت کے لئے شافع اورقبلۂ مراد ہے۔

حجتِ خداؑ کے انصار بنانا،محمدؐ وآل محمدؐ کی ذواتِ مقدسہ کیلئے المودۃ کے جذبات

پیدا کرنا، عاجزی، انکساری پیدا کرنا، حریتِ ضمیر، مظلوم سے محبت اور مدد کرنا، ظالم وظلم سے نفرت، دنیا سے جبر و ظلم و ستم و استحصال و غربت و بے کسی کو مٹانا، دہشت گردی کا خاتمہ اور عالمی امن قائم کرنا اسی سے ممکن ہے۔ یہ عزاداریٔ حسینؑ ہی ہے جو تمام مختلف النسل اور مختلف المذاہب انسانوں میں محبت و ایثار کا جذبہ پیدا کرتی اور ایک دوسرے کو برداشت کرنا سکھاتی ہے۔ انسانوں کو با کردار بناتی ہے۔ آقا اور غلامی کے آداب سکھاتی ہے۔ معصومؑ مرکزیت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ محمدؐ و آل محمدؐ کی خوشنودی کا باعث بنتی ہے۔ زندگی اور موت کی حقیقت سے آگاہی اور جنت کے حصول میں آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ مصائب اور آلام میں صبر و اطمینان سکھاتی ہے۔ اللہ کے گروہ میں شامل کرتی ہے۔ وقت کی پابندی اور ایفائے عہد سکھاتی ہے۔ خوف خدا رکھنا، حق کی حمایت اور باطل کا انکار کرنا سکھاتی ہے۔ عزاداری سچ، انصاف و امن کی خاطر معاشرتی، معاشی، مذہبی دہشت گردوں اور سامراجی قوتوں کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ عزاداریٔ امام حسینؑ، شیطان، شیطان کے مُرشدوں، اسکے چیلے چانٹوں اور تمام شیطانی ذہنیت رکھنے والوں، یزید اور یزیدی مذہب کی شکست ہے۔ حسینیتؑ، اسلام اور انسانیت کی جیت کا اعلان ہے۔ عابسؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

اپنے علمِ امامت سے کہتا ہوں میںؑ — میرے دم سے ہی دیں کو بقا آئیگی
میرا خوں جب ملا کربلا میں تو پھر — ''کربلا کربلا'' کی صدا آئے گی
غم کشیدہ سہی میرے غم سے مگر — دُنیا والوں کو غم سے شفا آئے گی
آج تک دین کو میںؑ بچاتا رہا — اب میرے بعد رسم عزا آئے گی
تم مجھے مار کر خوش نہ ہونا کبھی — دیں کی تبلیغ تو سلسلہ وار ہے
میںؑ ہوں پیغامبر انبیاءؑ کا مگر — میرا پیغامبر ہر عزادار ہے

15) عزاداریٔ حسینؑ کا انتہائی مقصد

عزاداریٔ سیدؑ الشہداء کے مقاصد سے متعلق جو کچھ ہم نے عرض کیا، اس کے علاوہ بہت کچھ جو ہم جمع کرنے سے قاصر رہے، ان تمام مقاصد کا مکمل حصول اور اطلاق حکومت الٰہیّہ کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔اس لئے عزاداریٔ حسینؑ کا انتہائی مقصد قیامِ ولایتِ حجتِؑ خدا امامِ العصر والزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہے۔اور یہ مقصد مقاصدِ شہادت امامؑ عالی مقام کو سمجھ کر اور عزاداری حسینؑ پر عمل پیرا ہو کر پر خلوص اور با اعتماد انصاران کی منظّم اور اجتماعی کوششوں سے ہی ممکن ہے۔

لبیک یا قائم آل محمدؑ لبیک، لبیک یا ثارَۃ الحسینؑ لبیک

16) سوگواران حسینؑ اور عزاداران ثانی زہراؑ سے گزارش

آپ تنہا ہوں یا مجمع عام میں ہوں، ہر لمحہ یہ یقین رکھیں کہ آپ کو محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم دیکھ رہے ہیں۔آپ کسی صورت میں ان حضراؑت کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے (القرآن 9/105)۔اس لئے آپ پر واجب ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جو ان حضراؑت کی اُمید و توقع کے خلاف ہو۔ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنے والدین اور بزرگوں کے روبرو کوئی شرمناک اور بدتمیزی کی حرکت نہیں کرتے۔آپ کو گناہوں اور حیاسوز کاموں پر دلیر کرنے کے لئے قرآن کے احکامات و تصورات کو شیاطین نے بدل ڈالا۔اگر آپ کا یہ یقین و ایمان ہوتا کہ اللہ ہی نہیں بلکہ اللہ کی بنائی ہوئی یہ نورانی آنکھیںؑ، یہ عین اللہؑ بھی ہر حال میں آپ کو دیکھتی ہیں۔یہ اُذن اللہؑ آپ کی باتیں سنتے ہیں تو آپ ہرگز شرم انگیز باتیں نہ کرتے۔ہرگز ناپسندیدہ اعمال پر جرأت نہ کرتے۔انہوں نے یہ تو بتایا اور آپ کو معلوم اور یاد بھی ہے کہ شیطان اور اس کا سارا قبیلہ آپ کو ہر جگہ اور ہر حال میں دیکھتا ہے (اعراف 7/27)۔اور ہر جگہ بہکانے کے

لئے موجود ہوتا ہے۔یعنی اپنے راہنما کی قوت وقدرت تو آپ کو بتا کر دل نشین کرادی۔مگر آپ کے راہنماؤں کو مجبور اور لاچار کر کے پیش کیا۔حالانکہ کلام اللہ میں اور کلام معصومینؑ میں ہے کہ آپ کی کوئی بات،آپ کا کوئی عمل ہادیانِ دین ورحمۃ للعالمینؐ سے پوشیدہ نہیں رہتا۔

بانیانِ مجالسِ عزااور ذاکرینِ عظام،جو کہ عزاداری کی روح رواں ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ حضرات تقدسِ عزاداری امامؑ مظلوم کا پاس رکھیں،رونے رلانے تک ہی مقاصد کو محدود نہ رکھیں۔عزاداری کو کاروبار بنا کر،سودابازی کر کے گھاٹے کا سودا نہ کریں۔نجی محافل،خصوصاً مجالس سے قبل اور بعد از مجالس ٹھٹھہ اور مذاق کر کے اس عظیم اجر وثواب کو ضائع نہ کریں۔ہمہ قسمی مقابلہ بازی سے اجتناب کریں۔اپنی تمام تر انر جی،کوششیں،وسعتیں مقاصدِ عزاداری پر مرکوز رکھیں۔

17) قائم آل محمدؑ صاحب العصر والزمان کے حضور پُرسہ ودُعا

ہم تمام مومنین اور مومنات کی طرف سے اپنی اوران سب کی بے چینیاں،شب بیداریاں اور بہتا ہوا خون اور ٹپکتے ہوئے آنسو پیش کرتے ہیں۔اور اُمید کرتے ہیں کہ آپؑ سوگوارانِ حسین علیہ السلام کی مجالس اور جلوسِ عزا میں برکت اور اثر انگیزی کے لئے اللہ سے ملتجی ہوں گے۔ہمارے چھوٹے چھوٹے بچوں نے زنجیریں سنبھال رکھی ہیں۔حضرت علی اصغرؑ اور اطفالِ حسینؑ کے نام پر قربان ہوجانے کی تمنا میں ماتم کر رہے ہیں۔ہمارے جوان ونوجوان حضرت علی اکبرؑ اور جوانانِ بنی ہاشمؑ کے غم میں اپنا خون بہار ہے ہیں۔ہماری بیٹیاں،بہنیں اور مائیں حضرت زینبؑ اور ناموسِ حسینؑ کی یاد میں کھلے بالوں سر وسینہ پیٹ رہی ہیں۔اے مولاؑ!ہماری کمزوریوں کو طاقت سے،ہماری غربت کو امارت سے اور ہماری جہالت کو علومِ خداوندی سے بدل دیجئے۔

اے نگہدارؑ جہاں ! ہماری قلت کو اقصائے عالم پر محیط کر دیجئے ۔اے فرزندِ رسولؑ! ہمارے بیماروں کیلئے شفا طلب فرمائیے ۔بے اولادوں کیلئے اولاد اور گنہگاروں کے لئے مغفرت حاصل کیجئے ۔ہماری خطاؤں لغزشوں اور خامیوں کے برے نتائج سے حفاظت کا انتظام فرمائیے ۔مسلمانانِ عالم میں اتحاد اور ہم آہنگی اور اپنیؑ اور اپنے آباؤ اجدادؑ کی محبت میں فراوانی کی دُعا کیجئے۔ ہماری حقیر وقصیر عبادتوں کو قبول فرمائیے۔ دُنیا و آخرت میں ہماری طرف متوجہ اور مہربان رہئے۔

آمین بحق معصومینؑ صلوٰۃ اللہ علیہم